

Resized



Some of the .pdf files we download from the Internet are not fit enough for direct upload to our servers.

We enhance the scan quality of such files, resize the pages to a standard size which is reasonably readable and then upload them.

دینا چہ

دانش مجر مجموعہ کلام حضرت جگر اور آبادی کی ترتیب و اشاعت کے بعد میں ایک
برابر اس فکر میں رہا کہ جس قدر جلد ممکن ہو حضرت ہنغر کی شاعری کے اوراق منتشر کروا دیک
مجموعہ کی شکل میں ترتیب دیکر موجودہ زہم ادب کے سامنے پیش کر دیا جائے، کیونکہ جگر حضرت
کی شان بے نیازی سے فخر و تھکا کر کہیں یہ باقی ماندہ سرمایہ سخن بھی ضائع ہو جائے پھر اجابہ
خاص کی طرف سے بھی اس مجموعہ کی اشاعت کے لئے اصرار ہوتا رہا، چنانچہ محض تسکین
خاطر کے لئے میں نے متعدد ذرائع پر کلام ہنغر کی اشاعت کا وعدہ بھی کر لیا اور یہی یقین
دلاتا رہا کہ غریب یہ مجموعہ اگر باب سخن کے سامنے آجائے گا، لیکن اسی کے ساتھ یہ فکر بھی دیگر
قلمی کہ آخر امید و ہوس پر تشنگانِ ذوق کو کب تک بالاجا سکتا ہے، ایک طرف اپنے وعدہ
کی خلاف ورزی کا خیال تھا اور دوسری طرف کچھ ایسے اسباب و پیش تھے جو اس ارادہ کی
تکمیل میں مانتے ہوئے تھے، مگر اسی کشمکش میں اتنی طویل مدت گزر گئی، لیکن خوش نصیبی سے
ادھر کچھ ایسے نوافذِ حالات وجود میں آگئے، جنکی وجہ سے اس خیال کس نے دفعہ عملی شکل
افتخار کر لی، اور جو کام باوجود متعدد سالوں کی مسلسل پورو جہد کے درجہ تکمیل کو نہ پہنچ
سکا تھا، وہ چند مہینوں میں خوبی کے ساتھ انجام پا گیا، چنانچہ ہم آج نہایت مسرت کیلئے

پ

حضرت اصغر کا یہ مختصر مجموعہ کلام ارباب سخن کی خدمت میں پیش کرتے ہیں
اولیٰ کرتے ہیں کہ وہ ان جواہر پار و کو پوری قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے
اور ہماری یہ سی ناچیز مشکوٰۃ ہوگی،
حضرت اصغر کا کلام اس پایہ کا ہے کہ اس محاسن گوناگون کو کافی طور پر بے نقاب کر
لئے ایک تفصیلی تبصرہ کی ضرورت ہے، میں نے اپنے مقدمہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ صرف ایک
سرسری نقطہ غفلت اور عدم اطمینان کی وجہ سے نہ تو صحیح طور پر عنوانات قائم کر سکا اور نہ
تحت میں جو شعائر تھے انہیں کافی طور پر نقد و بحث کا موقع مل سکا، علاوہ اس کے میری نظریں
اتنی وسعت و بصیرت بھی نہیں کر سکے، کیا نہ خیالات کی کافی طور پر داد دے سکوں، لیکن مجھ کو
نہایت مسرت ہے کہ میرے عزیز دوست جناب مولوی اقبال احمد صاحب تھیں، اہم، اے، ال، ال
بی (علیگ)، نے اس کی نہایت خوبی کے ساتھ ایک حد تک تلافی کر دی ہے، چنانچہ
ناظرین تفصیلی ریویو کے لئے اس کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں جو میرے مقدمہ کے بعد اس مجموعہ میں آ رہا ہے
مولوی اقبال احمد صاحب ایک مدت سے تمام علمی اور ادبی مشاغل سے کنارہ کش ہو کر گریہ
و کالت میں مضمون نگاری تو دور کہنا شاعری سے بھی اک گونہ سب سے تعلق ہو گئی ہیں تاہم باوجود
ان حالات کے ہمارے لایو، دوست نے جس لطافت اور وقت نظر کے ساتھ حضرت اصغر کے
کلام پر تبصرہ کیا ہے وہ حقیقت میں داد کے قابل ہے، اقبال صاحب نے تبصرہ کی افستھی

ج

سطرون میں کچھ اپنی بے لفاظی کا اظہار کیا ہے اور یہ یقین دلایا ہے کہ یہ اعتراف کفر
پر نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے، لیکن میں ناظرین کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ صرف اسکا
کسرِ نفس ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک صحت ذوق اور قوت نقد کا تعلق ہے
اردو ادب ان کے وجود پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ انکی بطیف
قوتیں اب صرف زور و کالت پر ضائع ہو رہی ہیں،
آخر میں ہم جناب سید مقبول حسین صاحب کی بلگرامی کے بھی شکر گزار ہیں، جنھوں نے
تصویرون کی طباعت کی محنت خاص طور پر گوارا فرمائی،

مرزا احسان احمد



مقدمہ

عمریت کہ افسانہ منظر کھن شد من از سر نو جلوہ دہم دار و دین را
اردو کی موجودہ نیم سخن جن چند مخصوص ارباب کمال کی ذات پر بجا طور پر
فرز کر سکتی ہے، اون میں ایک یہ گمانہ افن بھی ہے جس کی نازک خیالیاں
در و آشنایا قلوب کو ہمیشہ تڑپاتی رہیں گی،
حضرت ہضر شاعرانہ حیثیت سے بالکل غیر معروف نہیں ہیں، اون کی نظائر
جوانہ ادبیہ میں شائع ہوتی رہی ہیں، جنکی وجہ سے وہ مخصوص ادبی حلقوں میں کافی
طور پر روشناس ہیں، لیکن عام ادبی دنیا اب تک اونکی حقیقی شاعرانہ عظمت سے
نا آشنا ہے، اس بنا پر جب حضرت جگر کے دیوان کی ترتیب و اشاعت
کے دوران میں مجھ کو ان کا کچھ کلام ہاتھ آیا، تو اسی وقت سے میرا یہ ارادہ تھا

کہ ہر دم ادب کی طرف سے ایک منتخب مجموعہ اور باب سخن کی خدمت میں
 پیش کیا جائے چنانچہ تہسید کے طور پر میں نے دسمبر ۱۹۲۱ء کے علی گڑھ میگزین
 میں "کلام اصغر" کے عنوان سے ایک مختصر سی تنقیدی لکھی تھی، جس پر اس سال ہی
 کیا تھا کہ قریب جناب اصغر کا کلام مع ان کے ذاتی حالات کے اور باب
 ذوق کی خدمت میں پیش کر دیا لیکن افسوس ہے کہ متعدد اسباب کی وجہ سے
 اتنی مدت تک مجھ کو ساکت رہنا پڑا، لیکن اس خیال سے بالکل غافل نہیں رہا
 چنانچہ اس انتظار میں وقتاً فوقتاً جو کلام اخبارات و رسائل میں نظر پڑا جمع کرتا
 رہا، بلکہ اسی ضرورت سے ایک بار حضرت اصغر کی خدمت میں گونڈہ بھی
 گیا، لیکن اس جہاد کا کوئی مستند نتیجہ نہ نکلا، چنانچہ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ
 ایک پوری مباحث کہیں ضائع ہو گئی، ابتدائی کلام بھی کہیں محفوظ نہیں، نہ غرض
 مجھ کو جناب اصغر سے خود کوئی معتد بہ مدد نہ ملی، بلکہ ان کی اس شان کی بنا
 پر افسوس ہوا کہ کیا کیا جو اس پر بارے رہے ہوں گے، جنکی حیات افروز تکتی سے
 اور باب نظر کی نگاہیں ہمیشہ کے لیے محروم رہ گئیں،
 بہر حال حضرت جگر کی وساطت سے مجھ کو حضرت اصغر کا تھوڑا سا کلام شروع
 ہی میں مل گیا تھا، پھر میں نے خود اخبارات و رسائل سے لیکر کچھ جمع کیا، گو

۳

اس مجموعہ میں اشعار کی تعداد کم ہے تاہم اس خیال سے کہ اول تو کچل ضخیم دینا
 و کلیات شائع کرنا یوں بھی کچھ ضروری نہیں رہا، دوسرے اگر اتنا کلام بھی پڑ
 بے پردائی کی نذر رہا تو بعید نہیں کہ یہ قابل قدر ذخیرہ بھی اردو شاعری کے دن
 سے ہمیشہ کے لیے جاتا رہے ہیں نے ارادہ کر لیا کہ بلا کسی آئندہ تعویق و انتظار
 کے جو کچھ سرمایہ مرتب ہو گیا ہو، اسباب ذوق کی خدمت میں پیش کر دیا جائے
 لیکن اسوس ہے کہ غلبت کی وجہ سے اس مجموعہ کی ترتیب و تساعت میں کچھ
 فروگزاشتیں رہ گئیں مثلاً چھپنے کے وقت متعدد غزلوں میں اکثر اشعار درج
 ہونے سے رہ گئے تھے جن کا شائع ہونا ضروری تھا، اگرچہ غزل کے سلسلہ
 میں ان اشعار کا کچھ اور ہی لطف ہو تا تاہم تخص تکافی کے خیال سے وہ ہانی
 ماندہ اشعار کتاب کے آخر میں متفرقات کے تحت میں درج کر دیئے گئے ہیں
 علاوہ اس کے ممکن ہے کہ غلبت میں کچھ اور اشعار بھی چھوٹ گئے ہوں جو
 شائع ہونے کے قابل رہے ہوں، اس لیے میں اس قسم کی فروگزاشتوں
 کے لیے علاوہ ناظرین کے خود اپنے لائق دوست سے بھی معذرت خواہ ہوں
 میں نے غزلیات کی ترتیب عمدار و لطف دار نہیں رکھی، کیونکہ یہ صرف
 عام روش کا اتباع تھا، بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکا میں نے ترتیب غزلیات

۴

میں زیادہ تر زمانہ کا لحاظ رکھا ہے، تاکہ اس کا اندازہ ہو سکے کہ ابتدا میں کلام
کا کیا رنگ تھا، اور رفتہ رفتہ کیا ترقی ہوتی گئی، اس قسم کی ترتیب سے شاعر کے
ارتقاء کے تدبیر کی کافی طور پر اندازہ کیا جاسکتا ہے جو ردیف و ارتقے کی
صورت میں ممکن نہیں،

ذاتی حالات | حضرت اصغر کا اصلی وطن گورکھپور کے ضلع میں ہے، لیکن ایک مدت
سے مستقل طور پر گوندہ میں مقیم ہیں، جہاں ان کے والد ایک مدت سے
قانون گو کے عہدے پر مامور تھے، لیکن اس فیشن پاستے ہیں، اصلی نام چیمپو
ہے، اور اصغر تخلص ہے، یکم مارچ ۱۸۸۴ء کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم و تربیت مانی
اور غیر مستقل طور پر ہوئی، کچھ دنوں انگریزی مدرسہ میں تعلیم پا کر چھوڑ دیا، انٹرنس کے
امتحان کے لیے تیاری کی، لیکن خانگی پریشانیوں کی وجہ سے امتحان نہ دے سکے
تاہم اس تھوڑی سی مدت میں نظری صلاحیت کی وجہ سے اتنی استعداد
پیدا ہو گئی، کہ انگریزی کی ادبی کتابوں کا کافی لطف اٹھا سکتے ہیں، یہی حال
عربی اور فارسی کا ہے، جو کچھ قابلیت پیدا کی ہے وہ صرف ان کے ذاتی مطالعہ
کتاب اور غور و فکر کا نتیجہ ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ایک صحیح الفطرت شخص کو خارجی
وسائل کی رہنمائی کی بہت کم ضرورت ہوتی ہے، خود اس کی فطرت کی تخلیق اور

دل و دماغ کو منور کرتی رہتی ہے، چنانچہ باوجود اس کے کہ حضرت اصفیٰ نے
باقاعدہ طور پر علوم و فنون کی تحصیل نہیں کی، اُن کی نظر میں علمی اور ادبی حیثیت
جو وسعت اور لطافت ہے، وہ قابلِ رشک ہے؛

‘شاعری میں بھی حضرت اصفیٰ نے کسی کے سامنے مستقل طور پر رزانوئے تمکد
نہ نہیں کیا ابتدا میں کچھ دنوں نشی خلیل احمد دہلوی کو اپنا کلام دکھاتے رہے
آخر میں کچھ غزلیں نشی امیر احمد تسلیم کو دکھائیں، اس کے بعد سلسلہ بند ہو گیا، اور
حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی استاد و شاگردی محض رسمی ہوتی ہے شاعر
کا اصلی راہبر اس کا ذوق صحیح اور وجدان سلیم ہے، جو رفتہ رفتہ اس کو صراطِ
مستقیم پر ڈالتا ہے، (

اخلاقی حیثیت سے حضرت اصفیٰ ایک نہایت قابلِ قدر ہستی ہیں باوجود
زہد و تقویٰ کے مزاج میں نگین اور ظرافت کا عنصر بہت زیادہ موجود ہے،
بادۂ تصوف کے بھی خاص طور پر ذوق شناس ہیں، چنانچہ اُن کو ایک
عصر سے حضرت قاضی شاہ عبدالغنی صاحب مدظلہ العالی منگلور شریف
سہارنپور سے شرفِ بعیت حاصل ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت اصفیٰ کے
کلام میں جو سوز و گداز ہے، وہ اسی دادی امین کی شہر باریاں ہیں لیکن باوجود

(۶)

لذت شناس تصوف ہونے کے حضرت اصغر دنیاوی تعلقات سے آزاد
نہیں ہیں، چنانچہ گوندہ میں ان کا ایک شہرہ مستقل کا رخانہ ہے، جو ایک
سے کام کر رہا ہے،

زمانہ کی ناقدری دیکھو! ایک شخص جو روح انسانی کی حیات مخفیہ کا کین
شناس ہے، جسکی زبان قلم کا ایک ایک حرف اردو ادب کے لیے
عمل دگوہر سے زیادہ گراں ارز ہے جس کی تراوش انکار شکن کاں ذوق
کے لیے آب حیات کا اثر رکھتی ہے، گردش روزگار نے اس کو خیرہ ساد
کے کام پر مامور کر رکھا ہے، !!

اس وقت ملک میں اردو ادب کی توسیع و ترقی کے لیے مختلف قسم کی مرکز
انجمنیں قائم ہیں لیکن انہیں سب سے کمزور اب تک ان کا چمنستان اُمید
حضرت اصغر جیسے ارباب فضل و کمال کے رشحاتِ کرم سے محروم ہے
ہمارے لائق دوست کی شان بے نیازی کو شاید اس ناقدر شناسی
کی پردانہ ہو لیکن ہم کو افسوس ضرور ہے کہ زمانہ کی سرد مہری اور بے اعتنائی
کی وجہ سے دنیا آئندہ اس جوہر قابل کی ادبی لطافت ریز یوں سے
محروم ہوئی جاتی ہے،

۷

خصوصیات شاعری | حضرت ہمنو جو وہ زمانہ میں ایک متاثر شاعرانہ حیثیت رکھتے ہیں، غزل گو شعرا پر ایک خاص اعتراض یہ ہے کہ ان میں مسلسل نظم نگاری کی صلاحیت نہیں ہوتی، لیکن حضرت ہمنو اس الزام سے بری ہیں، وہ مخصوص کیفیات پر نہایت خوبی اور لطافت کے ساتھ مسلسل نظمیں لکھ سکتے ہیں، جس کا اندازہ صاحب ذوق اس مجموعہ کی ابتدائی نظموں سے کافی طور پر کر سکتا ہے، لیکن چونکہ وہ ازل سے درمند دل لکھ آئے تھے اس لیے انھوں نے اپنا خاص موضوع سخن تغزل ہی کو قرار دیا جو فطرت انسانی کا سب سے زیادہ نازک اور لطیف جذبہ ہے، اگرچہ تغزل پر اس کثرت سے طبع آزمائیاں کیجا چکی ہیں کہ اب ان پر کوئی متحدہ اضافہ شکل معلوم ہوتا ہے تاہم حضرت ہمنو کے حامی رنگین نگار نے اس نقش کہن میں وہ آب درنگ بھر دیا ہے کہ اب باب ذوق کی پہچان روشن ہو جاتی ہیں،

فلسفہ و حکمت | حضرت ہمنو کو قدرت کی طرف سے ایک نکتہ برس اور بلاغت شناس دماغ عطا ہوا ہے، اس لیے ان کی نظر عامیانا جذبات کی سطح سے گزر کر روح انسانی کے ان لطیف حقائق و معارف تک پہنچتی ہے

۸

جو اصل عشقیہ شاعری کی جان ہیں، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں، ()
 کیا دردِ حیر اور کیا لذتِ محال اس سے بھی کچھ بندنی ہو نظرِ مجھ،
 یہ صرف شاعرانہ تعلی نہیں ہے، بلکہ انصاف سے دیکھو، تو اس کا ایک ایک
 حرف حقیقت سے لبریز ہے، الجھل ملک میں فلسفہ گوئی کا ایک عام مذاق
 پھیلا ہوا ہے، لیکن حالت یہ ہے، کہ شعر پڑھتے وقت یہ محسوس ہوتا ہے
 کہ کوئی مولوی مغلق الفاظ میں وعظ کہہ رہا ہے، حالانکہ شاعر کو یہ کبھی بھولنا
 نہیں چاہیے کہ وہ شاعر ہے، فلسفی نہیں ہے، اگر اس کے اندازِ بیان میں
 شاعرانہ رنگینی اور لطافت نہیں ہے، تو اس کا تمام درس حکمت محض بیکار ہو،
 پھر اس میں اور ایک مولوی میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اس کا اصلی طفرائے
 امتیازی ہی ہے، کہ وہ دقیق سے دقیق خشک سے خشک مسائل کو اس نگین پر
 میں ادا کرتا ہے، کہ سامع پر ایک نشہ سا چھا جاتا ہے، حضرت اصفیٰ کی ہتیا زنی
 خصوصیت ہی ہے، کہ وہ حقائق نگاری کے ساتھ ساتھ شاعرانہ اندازِ بیان
 کی لطافت اور دلآویزی ہمیشہ ٹھونڈا خاطر رکھتے ہیں، محض خشک الفاظ میں فلسفہ
 لکھ دینا آسان ہے، لیکن فلسفہ کے ساتھ ساتھ شعریت کا لحاظ رکھنا ہر شخص کا
 کام نہیں، اس نازک فرض سے دہی شخص ہمدہ برا ہو سکتا ہے، جو حکیم بھی

ہوا اور شاعر بھی، حضرت اصغر دونوں حیثیتوں کے جامع ہیں، اس لیے وہ عام
شاہراہ سے الگ ہو کر اکثر حکیمانہ خیالات کا اظہار کرتے ہیں، لیکن اس طرح
کہ شعریت کو کہیں صدمہ پہنچنے نہیں پاتا، چند مثالیں ملاحظہ ہوں،
علم و عرفان کا تقاضا ہے، کہ عالم کائنات اور اس کے مشاہد و مظاہر کو
صرف ایک سراب بے بود تصور کر لیا جائے، ظاہر ہے کہ ایک حقیقت
شناس نگاہ اس شاہد ہدایت کی فریب کاریوں سے متاثر نہیں ہو سکتی
چنانچہ غالب نے جب یہ کہا

ہستی کے مت فریب کبھی کھائی ہو
عالم تمام حلقہ دام خیال ہے
تو یہ دراصل اسی بادہ علم و عرفان کا نشہ تھا، لیکن فریب شہود کو فریب شہود
سمجھ کر اسکی طلسم کاریوں کے سامنے سر عقیدت خم کر دینا دراصل بساط آراء
شہود کے منشا کی تعمیل ہے جو یقیناً علم و عرفان سے ایک بلند تر مقام ہے،
کیونکہ عالم موجودات کو فریب محض سمجھ کر اس سے کنارہ کش ہو جانا مشیت الہیہ
کے خلاف علم و عرفانی بلند کرنا ہے، بزم شہود فریب ہی ہے، لیکن اس فریب
میں مبتلا ہی ہو جانا عین منشا و قدرت کی اطاعت ہے، یہی وجہ ہے کہ جو گاہ
حقیقت کے محرمان خاص باوجود اس کے کہ اون کو دنیا کی بے ثباتی کا

یقین کامل تھا، رزمگاہِ حیات میں ہمیشہ سرگرم عمل نظر آتے ہیں، اس پہاڑ پر
یہ مقام جبل یعنی فریب شہود کا دلدادہ بنجا ناظم و عرفان سے کہیں بلند تر ہے،
مقامِ جبل کو پایا نہ علم و عرفان نے میں۔ بے خبر ہوں باندا نہ فریبِ شہود
غور کرو یہ کس قدر دقیق فلسفیانہ نکتہ ہے جس میں شہریت پیدا کرنا کچھ آسان کام
نہ تھا، چنانچہ جہاں تک پہلے مصرعہ کا تعلق ہے اندازِ بیان خالص فلسفیانہ
ہے، اور اگر مصرعہ ثانی کا بھی یہی رنگ ہوتا، تو وہ کسی تصوف و حکمت کی کتاب
کی کوئی سطر نہیں ضرور بنجاتا، لیکن شعر کمال کے جانے کا مستحق نہ ہوتا، لیکن غور
کرو کہ ”باندا نہ فریب شہود“ کے کٹرے نے اندازِ بیاں میں کس قدر شہریت پیدا
کر دی ہے، اور شہریت کے ساتھ ساتھ اسکی معنویت بھی کس حد تک بلند ہو
روشن کر دی ہے، چنانچہ یہ کٹرہ اگر موجود نہ ہوتا، تو معنوی لحاظ سے شعر مکمل کی
خاص لطافت اور بلندی پیدا نہ ہوتی،
ذوقِ جستجو خود ایک حجاب ہی چنانچہ انسان ایک راز کھولنے کی کوشش
کرتا ہے، تو دوسرا راز سامنے آجاتا ہے، غرض جب تک وہ اس جدوجہد
میں مصروف رہتا ہے حقیقت اسکی نگاہوں سے مخفی رہتی ہے، لیکن جب اُس پر
بخود ہی طاری ہو جاتی ہے، تو یہ حجاب جستجو دفعہ اٹھ جاتا ہے، اور جب اس

حقیقت نظر آنے لگتا ہے،
 بچہ پیری جتو نے ڈال کئے تھو جاب بخودی نے اب سے محسوس عریاں کیا دیا
 اسی خیال کو ایک دوسری جگہ نہایت لطیف سیرایہ میں ادا کیا ہوا
 خشکی نے کر دیا اسکو گرجاں سے قریب جتو ظالم کہہ جاتی تھی منزل دور
 حسن ایک غیر محمد دوشے ہے جسکی تجلی بہت و مقام کی بندشوں سے آزاد
 ہے اسلئے اس کا ذوق مشاہدہ مقاضی ہے کہ ظاہر و باطن کے قیود باقی
 نہ رہیں،
 پیچ حسن تعین سے ظاہر ہو کہ باطن ہو یہ قید نظر کی ہے وہ فکر کا زنداں ہے
 اکثر انسان میں خصوص صلاحیتیں ہوتی ہیں، جو مخفی اور غیر محسوس رہتی ہیں
 لیکن جب کوئی خارجی اثر محرک ہوتا ہے، تو وہ دفعہ چمک اٹھتی ہیں، دیکھو
 اس نکتہ کو کس شاعرانہ انداز کے ساتھ ادا کرتے ہیں،
 ایسا ہی ایک جلوہ تھا اہیں چھپا ہوا اُس رخ پہ دیکھتا ہوں اپنی نظر کو میں
 یعنی جب تک اس رخ نگین کے پر تو سے نظر فیضیاب نہیں ہوئی تھی، اس وقت
 اسکی معجز نمایوں کا احساس نہ تھا،
 ایک ہی ہستی مختلف مقامات پر استعداد محل کے اعتبار سے مختلف ناموں

سے تعبیر کی جاتی ہے،
کہیں ہر عشق کہیں ہر کیش کہیں حرکت
بھرا ہوا خامہ فطرت میں نگہ فتنہ گر
غور کر دہانی مصرع کی طرز ادا سے شعر میں کس قدر لطافت اور دل و ذری پہ
کر دی ہے،

کائنات اور اس کے مظاہر عدم محض ہیں، حقیقی وجود صرف جہاں الہی کا
بقیہ جو کچھ نظر آتا ہے سب اسی کا عکس ہے، فی نفسہ اسکی کوئی حقیقت نہیں،
لطیف نکتہ کو حضرت اصغر ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں،
اک قطرہ بنیم بر خورشید عکس آنا یہ نیستی و مستی افسانہ ہے
دیکھو قطرہ بنیم کی ترکیب نے علاوہ شعریت کے عدم محض کی تخیل کو
خوبی کے ساتھ نمایاں کر دیا ہے،
مستقل جلوہ صرف ذات مطلق کا ہے، بقیہ مشاہد و مناظر صفات
پیرنگیوں کے کرشمے ہیں،

نوع حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے فانوس کی گردش سے کیا کیا
ان اشعار سے تم بخوبی اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت اصغر کی نکتہ رس نگا
و معارف کی کس حد تک ادب شناس ہے؟ اس قسم کے اکثر اشعار اس

۱۳۳

میں موجود ہیں، چنے اُن کے کلام کی معنوی لطافت ریزیوں کا کافی طور پر
اندازہ ہوتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ طوالت کے لحاظ سے اُن کو قلم انداز
کرنا پڑتا ہے،

لطافت خیال حضرت اصغر کی شاعری کی ایک نمایاں خصوصیت خیالات کی
پاکیزگی اور انداز بیان کی لطافت اور جدت ہے، وہ ہمیشہ منہاد و لطیف جذبات
واحساسات کی مصوری کرتے ہیں یہاں تک عام نگاہیں پہنچنے سے قاصر ہیں،
چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

عام خیال ہے، کہ عاشق کی رازنگی و سرستی جلوہ حسن کے دیدار کا فیض اثر ہے
لیکن حقیقت یہ ہے کہ اوسے حسن کا نظارہ نامکن ہی، کیونکہ جب ہوش بجائے
نہیں رہتا تو شاعرِ جمال کی جلوہ ریزیوں سے کوئی کیونکر کیف اندوز ہو سکتا
ہے، جو کچھ دل و دماغ پر سر مستانہ کیفیت طاری ہے، وہ صرف عشق ہی کی
اشیرِ مخفیہ کا نتیجہ ہے، اس لطیف نکتہ کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں،

سبک او آنجو دی ورنہ اداس حسن کیا ہوش کا جب گز نہیں سکی حرم تاز
چشم ساقی کے اشاروں پر مختلف طریقوں سے طبع آزمائیاں کی گئی ہیں،
مگر جس لطافت تک حضرت اصغر کی نکتہ رس نگاہ پہنچی ہے، اسکی مثال

۱۴

مشکل سے مل سکتی ہو،
 بہت لطیف اشارے تھوڑے ساقی کے
 نہ میں ہوا کبھی بخیر نہ ہوشیار ہوا
 کیا اس سے زیادہ اور کوئی لطیف پہلو دماغ میں آسکتا ہے؟
 گریباں محض وحشت کا پردہ نہیں ہے، بلکہ خود حسن کا پردہ راز ہے جس کا
 چاک کرنا گویا خود لیلائے حسن کو بے نقاب کرنا ہے، اس لیے گریباں چاک ہونا
 وقت ایک نکتہ رس عاشق کا دل کا پٹھنا ہے، کہ حقیقت میں خود حسن کی
 پردہ دری ہے،
 غضب ہوا کہ گریباں ہو چاک ہونے کو
 تمہارے حسن کی ہوتی ہوا چہرہ
 یاس و ناامیدی عام شعرا کے لیے پیام موت ہو، لیکن اہل نظر کے لیے
 سرمایہ حیات ہو، کیونکہ یاس و ناکامی کے ساتھ جلوہ محبوب کی جھلک بھی بے
 نظر رہتی ہے، اس لطیف نکتہ کو حضرت اصغر لویں ادا کرتے ہیں،
 سرمایہ حیات ہے حیران عشقی
 ہے ساتھ ایک صورت زیبا
 حسن یار کی تجلی اگر کر مفرمانہ ہو، تو نگاہ شوق میں ذوق مشاہدہ کی اس
 پیدا نہیں ہو سکتی
 نگاہ شوق کو یار کسیر و دید نہ ہو
 جو ساتھ ساتھ تجلی حسن یار نہ

۱۶ جمال ہے،
حسن و اصل کوئی مستقل وجود نہیں، صرف نگاہ شوق کی نگینوں کا پرتو

ستم جو چاہے کسے مجھ پر عکس ذوق نظر بساط آئینہ حسن خود نب معلوم
زندگی صرف ذوق طلب اور اضطراب سہم کا نام ہے ایسے ایک زندہ روح کو سکو
وصل میں کوئی لطف محسوس نہیں ہو سکتا،

آغوش میں سال کے کیا لطف سکون کو یہ جان اہل ہی سے پروردہ طوفان ہے
عشق کی ناکامیاں واصل زندگی کا حاصل ہیں، ایسے زندگی کا جو حصہ ناکامیوں
میں گزرتا ہے، وہ بیکار نہیں ہوتا،

سارا حصول عشق کی ناکامیوں میں ہے جو عمر را نگاہاں ہے وہی را نگاہاں نہیں
حسن خود عشق سے ہم آغوش ہونے کے لیے مضطرب ہے، ورنہ خود عشق میں
اتنی بلند پروازی کہاں کہ وہ حریم حسن میں باریاب ہو سکے،

شعلہ ہر خود بیتا ہے جذبہ تہمت سے حقیقت در نہ سب معلوم ہے پڑاؤ نہیں
عام مذاق کے نزدیک درد و غم کا مقصود وصل محبوب ہے، لیکن ایک بیاد دل
کے لیے درد و غم کا حاصل صرف اسکی ابدی لذت ہے، ایسے وہ تاثیر کا متلاشی نہیں
وہ صرف آہ ایسے کرتا ہے کہ خود اس میں ایک کیفیت پنہاں ہے۔

۔ بہائے دروالم دروغم کی لذت ہے وہ ننگ عشق جو آہ ہواثر کے لیے
ان اشعار سے تم کافی طور پر اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت اصغر کے دل و لعل
میں کس حد تک لطافت اور پاکیزگی کا عنصر موجود ہے اس قسم کے ادب لطیف
اشعار بھی بکثرت حضرت اصغر کے کلام میں موجود ہیں لیکن طوالت کے
محاط سے اون کو قلم انداز کرنا پڑتا ہے، چند اشعار اور ملاحظہ ہوں،

سوار تراد من ہاتھوں میں مرے آیا جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریباں ہے
پھر گئی آنکھوں کے نیچے وہ ادھر برقی حسن چمچ اٹھے سب مرا چاک گریباں دیکھ کر
رکھ دیے ویر و حرم سر مار نیلے واسطے بندگی کو بے نیاز کفر و ایمان کر دیا
چاہا جہاں سے منظر فطرت بدل دیا ہے گل جہاں تابع فرمان آرزو
ندرت ادا لطافت خیال کے علاوہ ایک کامل الفن شاعر کے لیے انداز بیان
کی ندرت اور جدت نہایت ضروری چیز ہے، بغیر اس کے اسکی تمام جدت طرازی
باکل بیکار ہیں، اس لیے جو شعرا بلاغت شناس ہوتے ہیں، وہ ہمیشہ ایسا دلائل پر
بیان اختیار کرتے ہیں، جسکی وجہ سے معمولی سامعین خیال بھی دلکش نہ جاتا ہے،
حضرت اصغر تاثیر شعری کے اس رحمت لطیف سے بخوبی واقف ہیں، اس لیے وہ ہمیشہ
طرازی کی ندرت کا خاص محاذ رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ معمولی بات بھی کہتے

ہیں، تو اس انداز سے کہ سننے والا وجد کرنے لگتا ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں،
آرزوئے دید کی وارفتگی کا مختلف طریقوں سے اظہار کیا گیا ہے، اور یہ ہمارے
شعر کا عام موضوع سخن ہے، لیکن دیکھو حضرت اصغر اسنے پامال جذبہ کو کس کیف
انداز کے ساتھ ادا کرتے ہیں،

تو برق حسن اور تجلی سے یہ گریندہ میں خاک اور ذوق تماشائی ہوئے ✓
حسن یار کے اشارہ ہائے چشم داہرہ پر دیدہ و دل کا تار کرنا ہمارے شعر کا
شیوہ عام ہے جو اکثر ابتذال کی حد تک پہنچ جاتا ہے، لیکن حضرت اصغر کی نظر
ادا نے اس خیال میں جو نزاکت پیدا کر دی ہے، وہ اُن کے ندرت بیاباں
کی ایک روشن مثال ہے، ملاحظہ ہو،

مری نگاہوں نے جھک جھک کر دیکھ کر ✓ جہاں جہاں سے تقاضا حسن یار ہوا
”جہاں جہاں“ کے ٹکڑے نے شعر میں جو لطیف اور دلین پہلو پیدا کر دیا ہے، وہ
محتاج اظہار نہیں،

معتوق کے جلووں کی مجرطازیوں کی تصویران الفاظ میں کھینچتے ہیں،
پر تو رنج کے کرشمے تھے سہرا لہذا ر ذرے جو خاک سے اُٹھے وہ جنم خانہ
محبوب کے نقش پا کی شوخی و رعنائی کی کیفیت کو اس دلکش پیرائے میں ادا

کرتے ہیں،
 اس سے زیادہ اور کیا شوقی تر تھا کہوں
 برقی سی اک چمک گئی آج سرِ نیاز میں
 اس قسم کے اشعار بکثرت حضرت اصغر کے کلام میں موجود ہیں، جسے کافی طور
 پر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس حد تک اندازِ بیان میں لطافت اور ندرت پیدا کر سکتے
 ہیں، افسوس ہے کہ طوالت کے لحاظ سے ہم ان پر تفصیلی نظر نہیں ڈال سکتے،
 حضرت اصغر کے حسنِ ادا کا خاص راز ادھکا ذوقِ فارسیت ہے،
 غزل کی زبان اگرچہ جہاں تک ممکن ہو، سادہ، شیریں اور نکلت سے
 خالی ہونی چاہیے، تاہم ایک لطیف طبع شاعر فارسی ترکیبوں کی نزاکت کو
 نظر انداز نہیں کر سکتا، لیکن اس موقع پر اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ جو فارسی ترکیبیں
 استعمال کی جائیں، وہ شاعرانہ رنگینی اور نزاکت سے خالی نہ ہوں، ورنہ کلام میں
 نقالت اور پستی آجائے گی، حضرت اصغر فارسی ترکیبوں کے خاص طور پر دلدادہ
 ہیں، لیکن چونکہ نکتہ مسخ ہیں، اس لیے ایسی لطیف ترکیبیں استعمال کرتے ہیں،
 جن سے شعر میں ایک خاص رعنائی اور دلکشی پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً،
 جو بچہ گزری ہر شب بھڑو دیکھ لے ہما
 چمک رہا ہے مژہ پر ستارہ سحری
 ستارہ سحری سے قطرہ اشک کی تشبیہ کس قدر لطافت میں ڈوبی ہوئی ہے

پھر دل میں التفات ہوا انکے جاگزیں اک طرز خاص بخش بجائے ہوئے
 کرم کچھ آج ہر ساقی کا وہ طرب انگیز کہ جہ جہ جہ ہے موج تر تم سحری
 اس جو بنا رخصت سے سیر اپنے فضا و کو نہ اپنی لغزشیں مستانہ دار کو
 رجوم غم میں نہیں کوئی تیرہ بجوں کا کہاں ہوا آج تو اسے آفتاب شبی
 ببل زار سے گوصحن چمن چھوٹ گیا اس کے سینے میں ہوا اک شعلہ کافور
 قلب پر تابک پتی ہر شعلہ برق طور خون کے قطروں میں ایک قصہ صوری
 اک شورش حاصل اک آتش بے پروا آفتکدہ دل میں اب کفرہ اماں ہے
 جان ببل کا خزاں میں نہیں پر لیا کوئی اب چمن میں نہ رہا شعلہ عریاں کوئی
 دل جلوہ گاہ حسن بنا فیض عشق سے وہ واضح ہے کہ شاہد رعب اکہیں ہے
 اکثر باوجود حزن حقیقت بھی سامنے اک مستقل سراب تمنا کہیں ہے
 خط کشیدہ ترکیبوں پر غور کرو، کس قدر شاعرانہ ترکیبی اور نزاکت سے معمور ہیں
 بلکہ وہی شعر کی جان ہیں، چنانچہ یہ ترکیبیں اگر نکال دی جائیں، تو شعر کی تمام
 لطافت برباد ہو جاتی ہے، اس قسم کی ترکیبیں تم کو اکثر حضرت اھنر کے کلام
 میں ملینگی جن سے شعر کا لطف دو بالا ہو جاتا ہے،
 صفائی و جہتگی اگرچہ حضرت اھنر پر ذوق فارسیست بہت زیادہ غالب ہے،

۲۰

تاہم اُن کی زبان میں ایک خاص قسم کی صفائی اور جہنگلی پانی جاتی ہے۔
یہ محض ایک ذوقی چیز ہے جس کا اندازہ مثالوں سے ہو سکتا ہے، بطور نمونہ
چند اشعار ملاحظہ ہوں،

موج نسیم صبح کے قربان چاہیے ✓ آئی ہے بولے زلفِ معنبر بے ہمتی
✓ پہلی نظر بھی آپ کی اُن کُن کی تھی ✓ ہم آج تک نہ چوٹیں دلق لیے ہوئے
✓ رندِ جوفِ اٹھالین ہی ساغرِ خجائے ✓ جس جگہ بیٹھ کے پنی لیں ہی بیٹھ بنے
تقدیر کس سخنِ مہتی کی کھل گئی طوفانِ بکلیو کا تھاری نظر میں ہے
آئے تھے بھی طرح کے جھوٹے آگے میں نے گمراہ دیوہ حیران نہیں کیا
ہر اک جگہ تری برقی نگاہ دوڑ گئی غرض یہ ہے کہ کسی چیز کو قرار نہ ہو
اس کی نگاہ ناز نے چھیرا کچھ اس طرح اب تک اچھل رہی ہو رگ جانِ نرزد
دیکھو سادگی اور جہنگلی کے ساتھ ان اشعار میں ایک خاص کیفیت بھی موجود
جوشِ دستی | حضرت اشرفی شاعری کی ایک دوسری امتیازی خصوصیت جوشِ دستی
ہے جس نے ان کو تمام معاصرین سے علانیہ ممتاز کر دیا ہے اور اس میں شبہ
نہیں کہ جہاں تک جوش، رقص، اور دستی کا تعلق ہے حضرت اشرف کو بجا طور پر اردو
کا حافظ کہا جاسکتا ہے، حضرت اشرفِ قوٹہ نہایت شگفتہ مزاج اور رنگین طبع تھے

ہوئے ہیں، علاوہ اس کے بادۂ تصوف کا نشہ بھی سر میں ہے، اس لیے ادنیٰ
 ایک ایک اور جوشِ محبت میں ڈوبی ہوئی ہے، یاس و حسرت، آہ و بکا،
 گریہ و زاری، فریاد و ماتم کے پست اور بزدلانہ جذبات سے اُن کا نشاطِ آفریں،
 دل و دماغ قطعاً نام آشنا ہے، وہ اپنے پہلو میں ایک زندہ اور بیدار دل رکھتے
 ہیں، جو ستر پانچاٹھ حیات سے غمور ہے، اس لیے ادنیٰ زبان سے جو حرف نکلتا ہے،
 کیفیت و سرور سے لبریز ہوتا ہے، اس کا اندازہ ذیل کے اشعار سے ہو سکتا ہے،
 سرکشِ شوق کا وہ ایک قطرہ نابھیز چھان تھا کہ اک بحر بے کن رہا
 بچو در جویم و جاں مست زمینِ آسمان حسنِ دوست ناز سے چھیرہ دیا جو سنا عشق
 انوار کی ریزش ہو، اسرار کی بارش ہو ساغر کو جو نگرادوں اس گنبدِ دنیا سے
 سرستیوں میں نشیمن ہو سنا سکھائیں اتنا اچھا دل دیں کہ تریا کہیں بے
 اتنی تر سے تصوف سے یہاں تو کی بارش یہ جان نہیں ہو کہ شبتان سرا ہے
 مانا حرمِ ناز کا پایہ بلند ہے، یہ جایگا اچھا دل کے در و جگر بجھے
 وہ عشق کی عظمت سے شاید نہیں واقف ہیں سوحن کروں پیدا ایک ایک تنہا سے
 نہیں معلوم یہاں اور کتنے ہو کہ نہیں خون میں گرمی ہنگامہ منھو ہے آج
 یہ دینِ وہ دنیا کی یہ کعبہ، وہ بہت خانہ ایک اور قدم بڑھ کر اسے عہدِ مردانہ

کچھ صبح ازل کی نہ خبر شام ابد کی
 بنجو دوہوں تہ سایہ داماں محسوس
 اب اس نگاہ ناز سے ربط لطیف ہے
 جھکاؤ و باغ نصیبست روحانیان نہیں
 بیدار ہوا منظر اس مست خراشی سے
 غنوں کی کھلی اکھیر میں ان کی ہوائی
 نام ان کا اگیا کہیں ہنگام باز پرس
 ہم تھے کہ اڑ گئے صدف عشریے ہوئے
 کچھ اس انداز سے پھیرا تھا میں نے نغمہ زمیں
 کہ فرط شوق سے جھوٹی بنے شاخ شیا برسوں
 ان اشعار کو پڑھو معلوم ہوتا ہے کہ ایک رند سر مست ہے جس کو زمین سے
 آسمان تک جو شمس سرست سے بھر نظر آتا ہے اس قسم کے اور بھی اشعار حضرت
 اصغر کے کلام میں موجود ہیں، جیسے ان کے دلولہ محبت کی سرستیموں کا کافی طوطا
 اندازہ ہوتا ہے لیکن طوالت کے خوف سے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں،
 اردو کا تغزل باوجود گونا گوں اوصاف کے اب تک رقص وستی کی کیفیت
 سے نا آشنا تھا، یعنی اسے تک عام طور پر یاس و حسرت، فریاد و ماتم آہ و فغان
 وغیرہ بے کیفیت اور دلولہ سکون جذبات ادا کیے جاتے تھے، کیفیت و سرور کا غم
 تقریباً مفقود تھا، موجودہ زمانہ میں یہ فرض صرف حضرت ہمدرد کو حاصل ہو کہ ان کی سحر
 طازیوں نے غزل کے قدیم قالب بیجاں میں رقص وستی کی ایک جدید درج
 پھونک دی، اور لوگوں کو نظر آ گیا کہ تغزل اگر فی الواقع تغزل ہے وہ کس حد تک

مضطرب قلوب کو متاثر کر سکتا ہے،
 عشق نشا ط روح کا سر شہ ہے، اس لیے غزل میں جو حسن و محبت کی نگینیں
 کا آئینہ ہے، بحر بلند لطیف، اور آتش فشاں جذبات کے فریاد و ماتم، یاں
 و غم کی گنجائش نہیں ہو سکتی، چنانچہ حضرت اصغر خود فرماتے ہیں، اور صحیح فرمادی ہو
 غزل کیا مالک شر از معنوی گردش میں ہو
 یہاں افسوس گنجائش نہیں فریاد و ماتم کی
 پھر فرماتے ہیں،

شعر میں رنگینی جو شخیل چاہیے مجھ کو اصغر کم ہے عادت نالہ و فریاد کی
 ایک شخص جسکو قدرت کی طرف سے احساس لطیف عطا ہوا ہے جس کے
 دل و دماغ پر نشا ط محبت کی رنگینیاں چھائی ہوئی ہیں، انصاف یہ ہے کہ
 فریاد و ماتم اس کے بس کی بات نہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ اب اس شیوہ کہن
 میں کوئی لطافت بھی نہیں رہی طبعیتیں فہرہ ہیں، اس لیے ان کو مشتعل
 کرنے کے لیے اب برق باشی کی ضرورت ہو، چنانچہ حضرت اصغر اس آؤ نیاں
 سے تنگ آ کر کہتے ہیں،

خروش آرزو ہو، لغت خاموش الفت بن یہ کیا اک شیوہ فرسودہ آہ و دنیا ہر روز
 کیا ہمارے شعراء کے قدیم ماتم کدوں سے اس لغت مستانہ پر کوئی صدا اسے

لیک بند ہو سکتی ہے؟
 علاوہ جوش دستی کے حضرت ہنر کی نگاہیں حُسن کی لطیف رنگینیوں کی بھی
 ادھستاس ہیں، چند اشعار ملاحظہ ہوں،
 لالہ دل پہ جو ہے قطرہ شبنم کی بہار، رُخ رنگیں پہ جہائے تو جیا ہو جائے
 رُخ رنگیں میں شبنم ہائے بہار کی، شاعریں کیا ہیں نکت بکھر آئی گلستاں کی
 تنہا یہ مے سوا کوئی اسکو سجدہ سکے، وہ ربط خاص زنجیر جیسا کہیں ہے
 اس عارض رنگیں پر عالم وہ نگاہوں کا، معلوم یہ ہوتا ہو پھولوں میں صبا آئی
 پھر ان لبوں پہ موج ختم ہوئی عیاں، سامان جوش قصص تمنا لیے ہوئے
 حن اشعار کی لطافت الفاظ کے بارگراں کی تحمل نہیں ہو سکتی، اس کا انداز
 صرف ذوق صحیح کر سکتا ہے،

شوخی ظرافت کا رنگ بھی ملاحظہ ہو،
 ناہنے مراحل ایماں نہیں دیکھا، رُخ پر تری زلفوں کو پریشان نہیں کیا
 عارض نازک پائے نگہ سا کچھ آگیا، ان گلوں کو جھیر کر بنے گلستاں دیا
 بکھری ہوئی ہوز لہجہ بھی چشم مست، ہکسا سا ابر بھی سرخیانہ دیکھتے
 پھر آج بزم عیش میں کئے جناب شیخ، دھشت نوائی غم فردا لیے دئے

دیکھو اس موقع پر بھی حضرت اصغر لطافت اور سنجیدگی کو ہاتھ سے جاذب نہیں تھے
 سوز و گدازِ غزل کی ایک خاص خصوصیت سوز و گداز ہے، جس کے بغیر شعریں
 تاثر پیدا نہیں ہو سکتی، لیکن سوز و گداز آہ و بکا کا نام نہیں، جیسا کہ عام طور پر
 لوگوں نے سمجھ رکھا ہے بلکہ دل کی ایک لطیف درد مندانہ کیفیت کا نام ہے
 جس کے اثر سے شاعر کا ایک ایک حرف لبریز ہوتا ہے، اس حیثیت سے
 حضرت اصغر کا اس وقت کوئی حریف نہیں، چونکہ علاوہ ایک نکتہ رس اور
 بلاغت شناس شاعر ہونے کے ذوق تصوف کے بھی لذت شناس ہیں، اس لیے
 اُن کا سینہ سوز و گداز اور دنیا زکا آشکارہ ہے، چنانچہ خود کہتے ہیں: *اور سچ کہوں میں*
میں سراپا ہوں تنہا ہمہ تن ہوں میں ہر بن مومیں تڑپتا ہوں مرے دل میرا
 حقیقت یہ ہے کہ حضرت اصغر عشق و محبت کی ایک ایک منزل سے علما
 واقف ہیں، اس لیے وہ جن کیفیات کو ادا کرتے ہیں، وہ خود اُن کے دروِ آشنا
 قلب پر طاری ہوتی رہتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان سے جو حرف نکلتا
 ہے، تاثر میں ڈوبا ہوتا ہے، لیکن سوز و گداز میں بھی حضرت اصغر نے اپنی
 امتیازی خصوصیت کی شان قائم رکھی ہے، یعنی محض دردی درد نہیں ہے
 بلکہ اس میں ذوق محبت کی رنگینیاں بھی بھردی ہیں، اور انصاف یہ ہے،

کہ جس رنگینی کے ساتھ حضرت اصغرؑ نے پرگداز جذبات ادا کئے ہیں، اداسکی
 مثال سب سے مل سکتی ہے، چنانچہ خود فرماتے ہیں،
 غزل میں رنگیں تو نے اصغرؑ کو دیا ایسا کہ اس میں مائیں نے دیں گے زخموں
 یہ صرف شاعرانہ تعلق نہیں ہے، بلکہ صاحب ذوق صاف طور پر محسوس
 کر سکتا ہے کہ حضرت اصغرؑ نے غزل کو شہر و فضاں، فریاد و ماتم کی مقبذلہ
 سے پاک کر کے اس کو کس حد تک نشاط و درو کی رنگینیوں سے معمور کر دیا جو
 سوز و گداز حقیقت ایک ذوقی چیز ہے جس کا احساس وجدان سلیم
 سے وابستہ ہے، حضرت اصغرؑ کا کلام اگرچہ سرتاپا لہز عشق کی لطیف کیفیت
 پر نریز ہے، تاہم چند مثالیں ملاحظہ ہوں جن سے ایک حد تک اندازہ ہو گا کہ
 وہ پرورد جذبات بھی کس رنگین انداز کے ساتھ ادا کر سکتے ہیں،
 تو نے یہ اعجاز کیا اسے سوز نہاں دیا اس طرح بھونکا کہ آخر جسم کو جان دیا
 مدت ہوئی کہ چشمِ تیر کو ہے سکوت اب جنبشِ نظریں کوئی داستان نہیں
 میری فغان دردِ اس سرو ناز کو ایسا سکوت ہے، کہ تقاضا کہیں ہے
 دیکھو مشوق کی جھاکشی کو کس لطیف پیرائے میں ظاہر کیا ہے،
 دل میں اک بوندِ لبو کی نہیں، ناکیسا اب ٹپکتا نہیں آنکھوں سے گلتاں کوئی

غور کرو کہ قدر رنگیں پر یہ بیان ہے،
 روانی زنگہ لائی دیدہ و غنابہ انتشار کی
 اترائی ہواک تصویر دامن پھولتاں کی
 اس حیم قدس میں کیا الفاظ دینی کا گذر
 پھر بھی سبائیں مہنچی ہیں لب فدا کی
 نغمہ پردہ و چھیرا میں نے اس انداز سے
 خود بخود مجھ پر نظر پڑنے لگی صیاد کی
 دل ہوا مجبور جسم اشک حسرت بنگیا
 روح جب تڑپی تو صورت بنگی فدا کی ۹
 مجھ کو نہیں ہوتا بخت شائے روزگار
 دل ہے نزاکت غم لیلایہ ہوسے
 اتنا و کان عشق نے سراپہ رکھ دیا
 انھیں گے بھی تو نقش کعب پائیکے
 محبت کی وارفتگی کی کتنی پر کیفیت مصوری ہے،
 اک شعلہ اور شمع سے بڑھ کر تو قہس میں
 تم پہاڑ کر تو سینہ پر دانہ دیکھتے /
 سجدہ شوق کی بقرا دانہ کیفیت کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں،
 کیجئے آج کس طرح دور کے سجدہ نیاز
 یہ بھی تو ہوش ابنیراں کماں ہو کر کیا
 خاک پروانے کی برباد نہ کر با دھبا
 یہی ممکن ہے کہ کلاہ تک مرا افسانہ ہو
 میں کیا کہوں کہاں ہے محبت کہاں نہیں
 رگ گ میں دڑی پھرتی ہونتر پڑے ہوئے /
 مجھ کو جلا کے گلشن ہستی نہ پھونکدے
 وہ آگ جود بی ہوئی مجھ شست پر میں ہے
 خاک پروانہ پر شعرا عام طور پر اشک حسرت بہا کر رہ جاتے ہیں، لیکن حضرت

۳۸

فر کی پرگہ از نگاہوں کو اسی خاک نامہ چیز کے ذروں میں جہاں شمع شہستانی کی تھلی
 رقص کرتی ہوئی نظر آتی ہے،
 کہ انداز ہیں؟ اب اس میں شمع شہستانی کا ایک حصہ کی دنیا ہے خاکستر پر دانہ
 اس شعر کی نزاکت اور ذوق رنگیں جس قدر ناز کرے، بجا ہے،
 اس قسم کے پرگہ از اشعار اکثر حضرت اصغر کے کلام میں موجود ہیں، جن کو
 پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ وادیِ اہل میں سرسبز باریاں ہو رہی ہیں،
 افسوس ہے، کہ طوالت کے لحاظ سے ہم حضرت اصغر کے کلام پر اس شرح
 و تفصیل کے ساتھ نقد و بحث نہ کر سکے جس کا دراصل وہ مستحق تھا، اور نہ عیدِ المصطفیٰ
 کی وجہ سے ہم کو غور و فکر کا کافی موقع مل سکا، تاہم اس مختصر انداز خیال سے ادباً
 ذوق کا کافی اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت اصغر شاعرانہ حیثیت سے کس حد تک
 عظمت و احترام کے مستحق ہیں،
 میرا یہ دعویٰ نہیں، کہ حضرت اصغر کا کلام فروگزاشتوں سے بالکل منزہ ہے تاہم
 تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا، کہ انکی لطافت آفرینیوں نے تفضل کے اندازِ قدیم پر
 رقصِ مسرور کا ایک نیا عالم پیدا کر دیا ہے، جو اب تک نگاہوں سے مخفی تھا، حضرت اصغر نے
 کسی خاص صنفِ سخن کے موجد ہیں، اور نہ وہ دنیا میں کوئی پیام لیکر آئے ہیں، اور

۲۹

سادہ کی لطافت روحانی مادیت کے گیر و دار کی تھل ہو سکتی ہو، انکی ہنگامیں صرف اسی
عالم قدس کے روح پرور مناظر کی اداس تاس ہیں، جہاں ہر ایک لازوال تاثیر ایک صبح
نوا ترنم، ایک ابدی لذت، ایک جاں فروز تجلی، ایک نشاط آفریں قہقہہ، ایک لگد
ذوق، ایک آتش نشاں و جہد کے سوا اور کوئی سماں نظر نہیں آتا، اس لیے موجودہ مذاق
جو عالم مادی کے حوادث و افکار کی مرتع نگاری کا دلدادہ ہو، ممکن ہو کہ حضرت اصفیٰ کی اس
مغزش مستانہ کے خیر مقدم کیلئے تیار نہ ہو، لیکن ذوق لطیف عشق و محبت کے ان اسرار رنگیں پر
جو حقیقت صحیفہ شاعری کے ابدی نقوش ہیں، بغیر وجد کیے ہوئے نہیں رہ سکتا،

مرزا احسان احمد بی بی الہی (علیہ السلام)
اعظم گڑھ

۱۹۲۵ء

تبصرہ

از

مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے ایل، ایل، بی، ۴

نقد و تبصرہ اور وہ بھی فنون لطیفہ کے متعلق بھائے خود صحت ذوق کے علاوہ بہت کچھ وقت نظر اور وسعت معلومات کا محتاج ہے تاثر و تنقید دو مختلف شعبے ہیں جو ایک دوسرے سے بالکل دور ہیں، بہت ممکن ہے کہ ایک نغمہ دلکش میری روح پر قصہ پیہم کی کیفیت پیدا کرے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس نغمہ کی تاثیر اور میری روح کے تاثر میں جو ربط معنوی ہے اس میں حکیمانہ اور فلسفیانہ نظر بھی رکھتا ہوں یا اس کے معنی اسباب و علل کو الفاظ میں ظاہر کرنے پر بھی قادر ہوں، شاعری حقیقت میں حسن مجرور کی اس صورت ہی کو کہتے ہیں جس میں لطیف موسیقی بھی شامل ہو، اور جب آج تک حسن صوری کی تمام دادوں اور نغمہ مادی کی تمام کیفیات کیلئے زبان میں الفاظ نہیں ملتے اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ ”بسیار شیوہ است تباں را کہ نام نہایت“ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ حسن معنوی اور نغمہ روحانی یعنی شاعری جیسی ذوقی اور وجدانی چیز کی نسبت ہماری کیفیات نفسی کی تعبیر الفاظ میں کیجاسکے، اور وہ بھی جناب اصغر کی شاعری جس کا

۳۳

ایک ایک حرف کمال شاعری کا دلکش ترین ترقیع ہے، اسکی نسبت ناقداۃ حیثیت سے کچھ
 کہنا آسان کام نہیں ہے، مجھ میں اسقدر بصیرت نہیں ہے کہ میں ان کے کلام پر شایانِ شان
 تبصرہ کر سکوں، اور جو بلا کس نفس کے اپنی بے لفاظی کا اعتراف ہے اور اس اعترافِ حقیقت
 کو اپنے صحتِ ذوق کی دلیل سمجھتا ہوں، مگر اس کو کیا کہجے کہ حرمِ محبت کے آدابِ دنیا کے
 عام رزم و آئیں سے بالکل مختلف ہیں اور یہاں کسی ہدیہ نیازی کی گرانمایگی اور دشمنی کا پتہ
 نہیں ہے بلکہ محض خلوصِ تہذیبیہ میعارِ رد و قبول ہے، اس بنا پر جن خیالات کا اظہار سطر
 ذیل میں کیا گیا ہے وہ آستانہٴ محبت پر محض ایک نذرِ اخلاص ہے،
 قبل اس کے کہ جنابِ احسن کے کلام پر کچھ گزارش کی جائے یہ ضروری ہے کہ نفسِ شاعری پر
 اجمالی حیثیت سے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا جائے، ممکن ہے کہ بعض اربابِ نظر میرے
 ہم آہنگ نہ ہوں لیکن کم سے کم میرا ذوق یہ نگاہِ نکتہ بنجوں کے پیشِ نظر ہو جائے گا اور آئندہ
 مجھے تصحیحِ خیال کا موقع ہوگا، فنونِ لطیفہ کی تقسیم چار گانہ میں شاعری سہلہ طور پر سب سے
 بلند تر ہے، اسکی وجہ محض اس قدر ہے کہ شاعری بقیہ اہسان کی جامعِ احسان ہے، اس کے
 علاوہ شاعری کے قلمرو میں تھاق و سحار و اسرار و حکم کی غیر فانی دنیا بھی شامل ہے جہاں
 مصوری و موسیقی کو کوئی دسترس نہیں، ہمدرد کا قلم صرف انھیں کیفیاتِ نفسی کی تصویر کشی
 سکتا ہے جنکا اظہار عوارضِ جسمانی سے ممکن ہے لیکن شاعری کی نگاہِ نفسِ انسانی کی ان

۳۳

گہرائیوں تک پہنچتی ہے جہاں کیف و کم کی گنجائش نہیں ہے، ایک بت تراش کی تخیل ابعاد
نفاذ کے حدود سے متجاوز نہیں ہو سکتی مگر ایک شاعر کا تخیل عالم قدس تک پرواز کرتا ہے
اور ایک نشہ بے کیف اور معنی بے صورت کو سپیکر خیالی دیکر آپ کے پیش نظر کر سکتا ہے،
ایک معنی اپنے ترانہ جاں نواز سے صرف روح میں انبساط پیدا کر سکتا ہے مگر ایک شاعر اپنے
ترنم سے نفس ناظرہ پر بھی عالم وجد و حال طاری کرنے کی قدرت رکھتا ہے، اگر اس نظر
کو تسلیم کر لیا جائے تو شاعری کے عناصر حسب ذیل ہوں گے،

۱۔ موسیقی،

۲۔ بت تراشی یا ایکجاد و تخلیق،

۳۔ مصوری،

۴۔ اسرار و حرافت،

اگر شاعری ان ارکان اور بعد کی جامع ہے تو یہ مزاج شاعری ہے، لیکن کم سے کم
ایک دو صفات لازمی ہیں در نہ وہ شاعری نہیں کوئی اور چیز ہے،

موسیقی اصطلاح شاعری میں موسیقی اس کا نام ہے کہ جس کیفیت سے متاثر
ہو کر شاعر کی زبان سے ایک شعر نکلتا ہے وہ ان الفاظ میں ادا ہو جیسا کہ لفظ اور ترکیب
بہی اپنے نغمہ کے اعتبار سے معانی کی طرف رہبری کر سکے، مثلاً مولانا حالی نے جس موقع پر

۳۳

ہندوستان کو مخاطب کر کے یہ صریح لکھا ہے،

تو نے اسے غارتگر اقوام کا کمال لکھا

وہاں "اکال الام" کی جگہ پر شکل سے کوئی دوسرا لفظ مل سکتا تھا جس کے تلفظ سے اسی تو
 بھیانک اور زور دہنی تصور پر تخیل کے سامنے آجاتی، یا مثلاً "نہ کہ ہم کہ تا ابد فریم" اور "کس قسم
 کہ جاوون باشم" دونوں حصے برابر اعتبار ترکیب نوی صحیح ہیں مگر انتخاب الفاظ اور شکل ترکیب
 کی بنا پر دونوں میں جو بعد اثر نہیں ہے اس کو ہر صاحب ذوق کچھ سکتا ہے مروج کو نفع ہے
 فطری مناسبت ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن شعرا نے الفاظ کے
 اودان کی ترکیب میں موقی اور ذوق صحیح کا کمال دکھا ہے وہ زندہ جاوید ہیں، وہاں حافظ
 کی اس عالمگیر اور ابدی مقبولیت کا راز کیا ہے، ہر شخص درو بست الفاظ اور شکل ترکیب
 کا طعم !! لیکن جہاں شاعری کے لئے یہ عنصر ہے زیادہ ضروری ہے وہاں سب سے بڑی
 مشکل یہ ہے کہ یہ چھ شخص ذوقی ہے اگر ایک شاعر جو فطرت سے وجدان صحیح اور استعداد
 لطافت پسندی لیکر نہیں آیا ہے تو سیوا کتنا بے بات حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ذوق اور
 کایہ ضعیف کمزور کو کسی استاد لال سے نمونیا جاسکتا ہے، نہ اس کے اصول وضوابط متحرک
 جاسکتے ہیں، لہذا استقرار چند باتیں یہاں گذارش کی جاسکتی ہیں،

انتخاب الفاظ، انتخاب الفاظ میں ان امور کا لحاظ ضروری ہے، ممانعت نہ ہون

۳۵

پامال نہ ہوں، تلفظ میں دشواری نہ ہو، محل استعمال میں سوویت نہ ہو، آواز کو معانی سے نسبت
 ہو مگر سامع پر جو تخص اور کراہت کی کیفیت پیدا کرنا مقصود نہیں ہے تو ان اشاریہ اعمال
 کے نام نہ ہوں جن سے ذوق انسانی فطرتاً متفرج یا جس کا اظہار انسان کا ملکہ جیسا گواریہ نہیں
 کر سکتا، اسی طرح علوم و فنون کی اصطلاحات یا اعضا و جوارح کی تشریح بھی شاعری کی بڑی
 گواریہ نہیں کر سکتی مثلاً: حیثیت جنازہ تافت، جذبات کشش ثقل وغیرہ،
 ترکیب الفاظ (الفت) الفاظ کی ترکیب باہمی میں اس امر کا لحاظ ضروری ہے،
 کہ ان کی حرکات و آوازاں ایک طرف تو کلیتاً باہم متضاد نہ ہوں تاکہ متناظر نہ پیدا ہوا و رد و ردی
 جانب اس قدر کیسا فی بھی نہ ہو کہ لطیف تنوع جاتا رہے، بلکہ سستی و بلند ی بکی و گرائی نڈ و
 تراکت و رقت و جزالت اس توازن و تناسب کے ساتھ باہم گروست و گریبان ہوں کہ ایک
 کو دوسرے سے متناظر کرنا دشوار ہو جائے جس طرح گلاب کی پتھری میں یہ کہنا مشکل ہوتا ہے
 کہ گمان رنگ ہلکا ہے اور گمان سے شوخی شروع ہوتی ہے، تاکہ بندش میں چپتی کے ساتھ ایک
 لطیف انبساط بھی پیدا ہو جائے، ادا و شہر میں قرام جو بیا و طیرے ایک فطری مکرمتدلی وافی و آج
 (ب) حتی الوسع آفا کسی تھیل لفظ سے نہ ہوا درختانہ کسی منقطع او و بھڑی آواز پر نہ کیا
 جائے مثلاً

لب گلبرگ کو صبح صبا نے آکے پھیرا جب

۳۶

اس مصرع کے آخر میں جبکہ تلفظ ذوق سامعہ کو اسی قدر گراں گزرتا ہے جس طرح کہ رک کے
سنائے میں تالاب کے کسی اونچے لگاڑے سے کوئی کچھوا پانی میں آ رہے ہے،
(رج) حتیٰ الوسع ترکیب میں ندرت ہو، مگر نگینگی اور لطافت ہاتھ سے نہ جائے آج کل بھڑ
حضرات نے غالب و اقبال کی تقلید میں جو عربی و فارسی کی غلط اور بے معنی ترکیبیں درکن
بمعیرت لکھنا شروع کر دی ہیں وہ اہل ذوق کیلئے باری مجاوروں سے زیادہ نفرت انگیز
(و) محل استعمال ایسا نہ ہو کہ جس سے کوئی رکیک پہلو نکلتا ہو، کیونکہ اگرچہ براہ راست
اس کا کوئی تعلق موسیقی سے نہیں ہے مگر گھٹنہ چٹائی پر گراں ہوتا ہے اور موسیقی کی حلاوت
میں بہت کچھ کی پیدا ہو جاتی ہے،

(س) ہر حالت میں لطافت ذوق اور اعتدال صحیح کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، نیز
کہ زور بیان جج کی حد تک پہنچ جائے شکوہ الفاظ طبل بلند باگ کا مصداق بن جائے
مناست و سنجیدگی، پذیردگی کی مراد ہوتی ہے اور رنگین بیانی سبائت اور عریانی
خیال کا رُخ بھرے شعر کا خطاب شریف ترین انسانی جذبات سے ہوتا ہے اس لئے
کی موسیقی بھی شریفانہ ہونی چاہئے، اور اول و احوال میں جس طرح کا گانا بجانا موسیقی تھا
جانتے بے شک شاید سہ جماعت کے لئے موجب انبساط ہوتا تو درکنار تنفس و انقباض کا باعث
ہوتا ہے،

۴۷

یہاں پر ایک اور نکتہ قابلِ گزارش ہے کہ جس طرح موسیقی کے مہمانان مختلف ہیں کیونکہ
 شاعر کی موسیقیت بھی جدا ہوتی ہے، نہ صرف نشاط اور نالہ ماتم و نون میں کیساں تاثیر کی قابلیت
 ہے، مگر اثر سماع کی صلاحیت و استعداد پر مبنی ہے، البتہ چونکہ انسان فی زندگی بجائے خود ایک ایسا
 مصیبت ہے اور فطرت انسان فی نوع کی طاقت اس لئے عام طور پر دوستانہ غم سے انسان فی
 طبائع کو اس قدر کبھی نہیں پہنچتی ترائہ مسرت سے ہو سکتی ہے، اور یہ اعتبار نتائج بھی نوعہ ماتم
 فطرت انسان کے لئے چند ان مفید نہیں ہے، کشاکش حیات میں زندہ رہنے کیلئے ہرگز جزو غنائوں
 کی ضرورت ہے جو طبائع میں ہی عمل کی روح چھونک سکین، دیوان حافظ کے ولونواز نے
 اور شاہنامہ فردوسی کی جزو ایمان کی صدفان گذر جانے کے بعد بھی اسی وجہ سے زندہ ہیں
 کہ خود انہیں زندگی کی وحی تھی اور آہ و فغان کی جگہ و جہد و حال کی تعلیم ان کا مطمح نظر تھا،
 خدا کا شکر ہے کہ جناب اشعار کی شاعری عام سطح سے بہت بلند ہے اور ان کے یہاں ڈوبی ہوئی
 بغضیں چھوٹی ہوئی نگہیں اور عالم نزع کی چکیاں ان نو حکم زندہ درگوشی کی بد مذاقیاں ہیں۔
 بھی نہیں ہیں، ان کی شاعری قصہ معانی کی ایک جتنی جاگتی تصویر ہے، آنسو کا ایک ناچیز قطرہ
 ان کے چشمِ طبیعت کے فیض سے کبھی ”دستارِ محری“، ہنر چمک اٹھتا ہے اور کبھی ”شوقِ کج کریم کن“
 بجاتا ہے، اپنی شاعری کے متعلق خود ان کی تقدیر ترین تقدیر یہ فرماتے ہیں،
 غزل کیا اک شرارِ محنوی گروش چہ ہنر یہاں افسوس گنیش نہیں فریاد و ماتم کی

۳۸

ہنسنا لڑیج کا اک کھل گیا چمن خوش ہوئی جو غامہ رنگین نگار کو
 ارشاد پر اہم کے ہے رقص رگبان میں اک موج نسیم آئی کیا باغ فصلی سے
 جناب ہر شجر بجائے خود اک نغمہ پر کہیں ہے جس کا اندازہ صرف ارباب ذوق کر سکتے ہیں
 ان کے کلام میں انتخاب دشوار ہے تاہم اس عنوان کی ماتحت مثلاً حسب ذیل اشعار ملاحظہ

طلب چمن

اللہ سے دیوانگی شوق کا عالم اک رقص میں ہر ذرہ صحرانظر آیا
 تھا لطف جنوں دیدہ خوننا بختا پھولوں سے بھرا دامن صحرانظر آیا
 موج نسیم صبح کے قربان جائے آئی ہولے زلف معبر لے ہوئے
 وہ اک دل و دماغ کی شادابی نظر گرا چمک کے اُن تری برق نگاہ کا
 سو بار جلا ہے تو یہ سو بار بنا ہے ہم سوختہ جہانوں کا نشین بھی بلا ہے
 پھر ان بھون پہنچ تسم ہوئی عیان سامان رقص جوش متائے ہوئے
 جھکا نہیں ہے تاب غلش ہائے روزگار دل ہے نزاکت غم کیلا لے ہوئے
 کوئی کیجی تھی تری ہر جنبش حسد ام شاداب ہو گیا چمنستان آرزو
 اس زیادہ اور کیا شوخی نقش یا کون برقی سی اک چمک گئی آج سرینا زمین
 چمکے گندمی پہنچ بھوہ دیکھ لے ہجوم چمک رہا ہے خرہ پر تارہ سحری

۳۹

دل مبتلاؤ ناکل رنکین الفت
ہام شراب نرگس رسوائے ہوئے
یا آخری شعر کے دونوں مصرعوں کا توازن خاص طور پر ملاحظہ طلب ہے، پہلے مصرعہ میں
جس خیال کا اظہار کیا گیا ہے اس کا تقاضا تھا کہ الفاظ میں متانت اور تجدیدگی کے علاوہ
ایک حد تک نقل ہو تاکہ ایک زاہد فحش پر ابتدائی مراحل عشق میں کشاکش کی جو کیفیت ہوتی
ہے اور جس طرح وہ اپنی ثقاہت سابقہ کو قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کا اظہار خود ترکیب
الفاظ سے ہو سکے، لیکن دوسرے میں حسن کی زاہد فریب اور توہم کن ادائیں دکھانی مقصود
ہیں اس لئے اس کا ہر ہر لفظ اپنے ترم کے اعتبار سے کیف و مستی کا اک جام شراب ہے



۴۰

بُت تراشی،

یا ایجاد و تخلیق صنعت بت تراشی جن قوای زمینہ کی زمین بنت ہے وہی جب وینا کے
مشاعری کہ جن بر غزل ہوتے ہیں تو اسے اصطلاح بلاغت میں بہ اعتبار فرق مدارج مذمت لیتا
ایک دو طرز اور خیال آفرینی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس طرح ایک بت تراش اول اپنے
تخیل میں ایک صورت قائم کرتا ہے اور پھر اسی پیکر خیالی کے مطابق ایک مجسمہ کھڑا ہے اور مجسمہ
میں جس پہلو کو نمایاں کرنا اس کا مقصود ہوتا ہے اسی کی مناسبت سے اس مجسمہ کا ایک ایک
حصہ تراشا ہے اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ مختلف صنف کائنات سے مختلف اجزا لیکر ایک نئی قسم کا
مخلوق کھڑا کیا جاتا ہے یا جنس ایک مضمون دہنی اور کیفیت روحانی کو مجسم کر لیا جاتا ہے کبھی کبھی
ایک ہی موجود واقعی کے شیون مختلف اور حیثیات متضادہ کو مستقل طور پر متحدہ عظیم نمایاں کرنے
کے لئے الگ الگ مجسمے بنائے جاتے ہیں اور ہر بت تراش اس کی کوشش کرتا ہے کہ اس کی ہر بات
مجازی بجائے خود مستقل ہوں اور باوجود وحدت فکر و دوسرے نمونہ ہائے صنعت کی کورانہ تقلید
یہ معلوم ہوں، شاعری کی حالت بھی یکسہ ہی ہوتی ہے، علم و ادراک، تفسیر و استقرار فکر و نظر
شاعری کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے، خواہ کسی سبب خارجی یا داخلی یا عیب باطنی
کی تحریک سے اس پر کوئی کیفیت طاری ہوتی ہے اور وہ اپنی استعداد و فکری کے نقطہ

۴۱

سے اکثر اختیاری اور کبھی بھی خطراری طور پر اس خیال یا کیفیت کو فوٹو موزون میں ظاہر کرتا ہے،

یہ خیال اور کیفیت بہت سناؤ طریقہ پر ممکن ہے کہ بالکل جدید ہو ورنہ عموماً وہی خیالات و واردات ہوتے ہیں جو کسی نہ کسی صورت میں ادسکے چلچلے ہیں لیکن ایک شاعر کسی لہجے خیال میں (۱۱) یا تو کچھ اضافہ کر کے (۱۲) یا ایک خیال کے ایک پہلو کو بدل کر (۱۳) یا دوسرا پہلو پیش نظر کر دیتا ہے (۱۴) یا دو مختلف خیالات کی ترکیب و امتزاج سے ایک نیا پیکر خیالی پیدا کرتا ہے، یہ تمام صورتیں خیال آفرینی کہی جاسکتی ہیں لیکن اگر کسی پامال خیال کو اپنی جگہ پر قائم رکھ کر زرا داسے زمین نئی روح چھونک دی ہے تو اس کو بدعت اسلوب، ندرت بیان اور طرنگی اداسے موسوم کیا جاتا ہے، بدعت اسلوب کبھی انہماک خیال کی ترتیب اور بیان کا پیرا بہ بدل دینے سے پیدا ہوتی ہے، کبھی ندرت تشبیہات اور طرنگی استعارات سے مہیاے کہن کو نئے سانچے میں پیش کیا جاتا ہے اور کبھی کسی پرانی تصویر بدعت کے موقوف سے ہلکا سا رنگ دیکر یا پرانے رنگ کو نئی جھلک (مشید) دیکر تازگی پیدا کی جاتی ہے بقول ہنرمند

کوشش حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے فانوس کی گردش میں کیا کیا نظر آتا ہے
در اصل یہی ندرت بیان شاعری کی روح ہے، ہر شعر میں بالکل نئی اور اچھوتی تخیل پیش

۴۲

کرنایا ممکن ہے لیکن فرسودہ اور پامالی خیالات کو دوبارہ بغیر کسی ندرت بیان کے پیش کرنا
 شاعر کو نقد و نظر کے حکم، اعتساب میں ایک قابل تعزیر مجرم قرار دیتا ہے،
 اس سے یہ نتیجہ لینا چاہئے کہ ہر مدیر تخیل یا سہرائی طرلاؤں کی کسی شخصیت کے دلچسپ
 ہوتی ہے، تنوع ہے، شک پسندیدہ ہے مگر موسیقی کی طرح اس میں بھی احساس توازن اور سہولت
 کے میاں تمدن کا لحاظ لازمی ہو گا تاکہ شاعری کی کائنات خیالی مذاقِ سلیم پر گراں نہ ہو،
 شعرا سے ایران، چین، بابائے فغانی، نظیری اور غنی استادانِ ریختہ میں غالب و مومن
 اور دروہارہ میں اختر و فانی، کلامِ ندرت بیان کیلئے بطور نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے طبیعت
 چاہتی تھی کہ جن جزییات کا احاطہ بطور بالا میں کیا گیا ہے انکو مثلاً اشعارِ اساتذہ سے وضع
 کیا جاتا مگر بخوفِ طوالت نظر انداز کرتا ہوں، یہاں جناب احمد کے کلام سے ندرت بیان یا
 بدعتِ اسلوب کی چند مثالیں ہدیۂ ادب اب ذوقِ بین،
 اقتصر صاحب کی شاعری چونکہ جامع حیثیات ہے لہذا عنوانِ موسیقی کی طرح اس کو
 پر بھی جو اشعار نقل کیے جاتے ہیں ان میں اس حسنِ مخصوص کے علاوہ اور محاسن بھی ہیں مگر ندرت
 بیان کا پہلو زیادہ نمایاں ہے اس لئے یہی سرفہرشی ان کے لئے زیادہ مناسب ہے،
 فرماتے ہیں:-

مری وحشت پہ کشت آریاں آگئی نہیں ناچ بہتے باندھ رکھے ہیں گریبان میں تیرے آئین

۴۳

۱۲۱ کیا کیا ہوا ہنگام جنوں یہ نہیں معلوم
کچھ پوش ہوا یا تو گریبان نہیں دکھا
۱۲۲ سو بار تو اس ہاتھوں میں سکا
جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریبان ہے
وارنگی شوق کے عالم میں تخیل جس صورت کو پہلے سامنے خوب بنا کر پیش کرتا ہے وہ حقیقت
میں خود ہماری ہی جذبات کی کرشمہ سازی ہوتی ہے ہم اس حقیقت کا احساس اس وقت
نہ کرتے ہیں جب وہ ولولہ باقی نہیں رہتا اور نگاہ بصیرت کے سامنے سے اسلٹا ہے شوق
کا حجاب اٹھ جاتا ہے اس فلسفیانہ نکتہ کے علاوہ تصوف کا پہلو بھی اس شعر میں ہے اس
دقیق فلسفہ کو جس نوثر پریرا یہ مین ادا کیا ہے وہ صرف اصغر صاحب کا حصہ ہے
۱۲۳ کچھ نیم سے ہو سکا اس غمزدہ شوق
انکا دہن کو گر اپنا گریبان کر دیا
۱۲۴ اس طرح زمانہ کبھی ہوتا نہ پر آشوب
فنون نے ترا کو مشہور دہان نہیں دکھا
۱۲۵ غضب ہوا کہ گریبان چاک ہو گیا
تھامے حسن کی ہوتی ہے آج پردہ و کار
عشق کی خستہ حالی حسن کی رسوائی ہے اس خیال کے علاوہ وحدت حسن و عشق کا
نہ کس لطیف انداز میں نظم ہو گیا ہے یعنی ہمارا گریبان چاک ہوا اور یہ پردہ ہٹا تو غم
مایاں ہو جاؤ گے

۱۲۶ چھری اٹھو کے نیچے وہ آواز حق حسن
خیج اٹھیں سب سراپا کہ اگر نینا دیکھ کر
عشق کی بے سرو سامانی حسن کا آئینہ جمال ہے نکتہ رس ہنگام میں سبب کا

۴۴

جلوہ دیکھ کر متاثر ہو گئی ہیں اس خیال کو کیسے اچھوٹے پیرایہ میں دکھایا ہے،
 ۸۰، اک شعلہ اور شمع سے بڑھ کر ہے روشن - تم بھلا کر تو سیدنا پروانہ دیکھئے
 ۹۰، اسے حسن ازل اپنی اداؤں کے عزت ہے سانسے آئینہ حیران محمد
 توحید و رسالت کے ربط خفی کا کلمہ بلند پاس آداب شریعت کے ساتھ جس دو
 کی زبان سے ادا کیا گیا ہے اس کو صرف اہل بصیرت سمجھ سکتے ہیں،
 ۱۰۰، اسرا حقیقت کو ایک ایک پوچھا کرو ہر نغمہ رنگین سے ہر شاہد عنا سے
 اس میں شک نہیں کہ صاحب نفعی آواز و دلالت مست ہو سکتا ہے لیکن اگر نوحی
 کے ساتھ امتیاز بھی باقی ہے تو ہم کسی فروتیر یا خیف منظر میں اس اعلیٰ حقیقت کو خود دیکھنا
 پسند نہیں کر سکتے بلکہ صرف نغمہ رنگین اور شاہد عنا کے پردہ میں شاپر حقیقت کی تلاش
 کرتے ہیں،
 ۱۱۰، یا زندگی تو تھی ہر موجِ حواش کی - یا موت کا طالب ہوں انھیں سچا
 ۱۲، ہوں نے میری خیرین تہا جلا دیا - کیا نہ دیکھاؤ نگاری رقی نظر کو میں
 ۱۳، نیز گئی جمال کے قربان جائے حیران ہوں دیکھ دیکھ اپنی نظر کو میں
 یہاں پر حسن و عشق کی نسبت ایک دوسرا نظریہ بیان کیا گیا ہے جو شمار سابقہ
 سے بالکل مختلف ہے،

۴۵

- ۱۴ حُرّت حق نے بہت دیکھ لی ایمان کی بہا اب ذرا سامنے دنا کی عیسا کروین
- ۱۵ دیر کی راہ نہ ملتی ہو تو کعبہ ہی سہی کھڑب کھڑ بننا ہو تو ایمان کروین
- ۱۶ آج خون گشتہ تمنا میں مجھے یاد آگیا کہ ہر طرف ہنگامہ بخش بہارا دکھ کر
- ۱۷ مری نگاہوں نے جھک جھک کر دیکھ کر جہان جہان کہ تھا صناع حسن یا رہوا
- ۱۸ یہ بھی فریب ہے کچھ درد عاشقی کے ہم محکے کیا کر نیکی کیا کر لیا ہے جی کے ✓
- ۱۹ خوش شباب نہ اٹھنا ہجوم شوقِ تعمیر یوں بھی کرتے ہیں فصل بہار کو
- ۲۰ آج اسکل کے سامنے اسے شوقِ حسن میں جاتا ہوں پردہ ابر بہار کو
- ۲۱ پردہ لالہ و گل بھی ہے بلا کا خویر اب زیادہ نہ کرے حسن کو عریان کوئی
- ۲۲ مٹی جاتی ہے بل بلوہ گھٹا کر گین پر چھپا کر کس پر دھون میں برق آئین دکھائی
- ۲۳ جیت شوق لائی ہے وہاں سے داغِ ناکامی یہ کیا کرتی ہے کج بخت تنگ آتے ہیں
- ۲۴ نہ کی کچھ لذت افتادگی میں اعتدال میں مجھے دکھایا اٹھ کر غبارِ کار و بار بوسوں
- ۲۵ محبت ابتدا سے بھی مجھے گھٹا کر گین سے رہا ہوں آئینہ میں برق آئین بوسوں
- ۲۶ کچھ اس انداز سے چھڑا تھا میں نے نغمہ کو کہہ کر طوق پہنچوئی ہے شاخ آئین بوسوں
- صنائے بھی اسی ندرت بیان کے تحت میں آتی ہوں لیکن صنائے کا لطف یہ ہے کہ
میساختہ پن کے ساتھ ادا کی جائیں اور معنویت کا خون نہو، نہ سامع پر یہ اثر پیدا ہو سکے

۴۶

کہ قصداً صنائع کے لحاظ سے شعر لکھا گیا ہے بلکہ یہ معلوم ہو کہ خود بخود زبان قلم سے تراوش ہو گئی ہے، قصور کے یہاں اس کی مثالیں بہت ہیں یہاں پر صرف حسب ذیل اشعار پر اکتفا کی جاتی ہے،

بجوش جو زمین چھوٹ گیا آستان یار روتے ہیں منہ بہ دامن صحرائے ہوئے
کیجئے آج کس طرح وژد کے بھڑے پیاز پھنس گئی تو زمین تاج پادشاہ کی سن کر گناہ
راز کی جستجو بہن مروتا چور اور زمین جو زمین ایک بار وہ راز
کبھی کبھی ندرت بیان پیدا کرنے کے لئے غیر ذی سوج اشیا و یا کیفیات مجردہ کو
ذی روح فرض کر لیا جاتا ہے مثلاً،

تمنا اٹھے وہ عارض مری عرض تو چاہے ✓ حسن جاگ اٹھا دین جب عیش خیز ہو کر یاد کی
میدار ہو نظر اس مست خراہی سے غنچوں کی کھلیں آنکھیں دامن کی ہوا کی
کبھی کبھی ندرت استعارہ اور حسن ترکیب بھی یہ بات پیدا کی جاتی ہے مثلاً
دل میں اک پتلا کی نہایتیں رزدا کیا ✓ اب چمکتا نہیں آنکھوں سے گلستان کوئی
زدا نہیں کوئی کہ نہ چھیر کرے بہت جان بہار زگس رسوا کہیں جسے
اس بلوہ کاہن میں چھایا ہو چڑھن ✓ ایسا عجب چشم تماشا کہیں جسے
انداز میں جذب اکہیں شمع خلیستا گئے ✓ اک حسن کی دنیا ہے خاکستر پروانہ

۴۷

ہے تیرے تصور سے یان نور کی بارش یہ جان حزمین ہے کہ شہستانِ حرا ہے
 اب طور پر وہ برق بجلی ہمیں نکلا قہر ادا ہے شعلہ سریانِ آرزو
 ہے عشق کہ محشر میں یون مست خزانہ دوزخِ گریبان ہے فروس بدلتا ہو
 قدرتِ عینِ مال، اس کا اظہار چونکہ کبھی مصوری کے رنگ میں ہوتا ہے اور کبھی کبھی
 مکتبہ سخی کے انداز میں ہوتا ہے اس لئے اس طرح کے اشعار دوسرے عنوانوں کے تحت میں
 بھی پیش کئے جائیں گے۔

ہاں اس قدر گدازش اور ہے کہ خود مصوری اور بت تراشی باہم اس قدر مشابہ ہو
 ہم جلس ہیں جنکے حدود متین کرنا سخت دشوار ہے اور شاعری میں اگر تو یہ فرق اور بھی نادر
 ہو جاتا ہے اسی طرح حکیمانہ مکتبہ بنجیان بھی چونکہ اکثر کیفیات روحانی کے مادی مظاہر سے تعلق
 ہوتی ہیں اور اکثر الہیات یا مابعد الطبعیات کے اسرار و رموز کو سہولت فہم کے لئے تشبیہات
 مادی سے ادا کیا جاتا ہے اس لئے محاسنِ شعر پر کے یہ غفلت پہلو ایک دوسرے سے جدا
 نہیں کئے جاسکتے نہ ان کی تہو سب تفصیل کسی خاص منطق یا اصول پر کی جاسکتی مثال کے
 طور پر زور بیان، نگینی ادا، جوش و سرستی یا سوز و گداز کو نیچے ان میں سے ہر انداز مصوری
 و بت تراشی دونوں کے تحت میں آسکتا ہے اور ہر ایک پر قدرت بیان کا اپنی اطلاق ممکن ہے مگر میں ان
 حیثیات پہا رنگانہ کو مصوری کے غفلت سے بھٹا ہوں ناظرین کو انتہائی سہرا کا حق چل ہے،

۴۸

مصورِی،

شاعری کا ایک ضروری عنصر اور بعض اربابِ فن کے خیال میں اس کی اصلی جان
 مصوری ہے یہی میدانِ تخلیق کا اصلی جولاں گاہ ہے اور یہیں پر ایک شاعر کو اپنے کمالِ فن کی
 سرکاریان دکھانے کا موقع ملتا ہے مصوری کے دو مدارج ہیں، اکمالِ مصوری اور حسنِ مصوری
 کمالِ مصوری مصورِ کونین کے علاوہ اپنے کمالِ فن کیلئے لطافتِ احساس، قوتِ مشا
 اور صدقِ نظر کی ضرورت ہے اور یہی صفات شاعر کے لئے بھی ناگزیر ہیں،
 لطافتِ احساس، ایک مصور یا شاعر اگر احساسِ لطیف لیکر نہیں آیا اور خود
 اس میں تاثر و انفعال کی قابلیت نہیں ہے تو وہ دوسروں کو تاثر نہیں کر سکتا اسی کلمہ
 کو ملحوظ رکھ کر یہ کہا گیا ہے کہ ”انچہ از دل خیزد بر دل ریزد“ اور شاعرِ مصور کی سطح چونکہ
 عام خلایق سے بالاتر ہے لہذا اس کے تاثر و انفعال میں لطافتِ ضروری ہے ورنہ شعری تاثر
 میں خواہ مخواہ جھوٹ بڑھ جائیگا،
 قوتِ مشاہدہ شاعر یا مصور کی نگاہ کو عوام کی نظر سے کہیں زیادہ تیز اور کثرت
 ہوتا چاہئے تاکہ ان نازک اور لطیف جذبات و کیفیات تک اس کی دسترس ہو
 جہاں پر نگاہِ عوام نہیں پہنچ سکتی،
 صدقِ نظر شاعر یا مصور کا کمال یہ ہے کہ جن کیفیات سے جس طرح وہ خود متاثر

ہوا ہے اسی طرح اپنے مخاطب تک منتقل کرنے کی کوشش کرے، تاکہ اس پر بھی وہی کیفیت طاری ہو سکے بعض طبائع شوق تنوع اور تلاش قدرت میں دنیا کے حقیقت سے بالکل دور جا پڑتی ہیں اس لئے ہزار فکر کے بعد بھی ان کے نتیجہ فکر میں نہ نشان واقیبت ہوتی نہ اہمیت کا رنگ ہوتا اور مخاطب میں کسی جذبہ کی تحریک نہیں ہوتی تصویر میں واقعیت یعنی اصل سے مطابقت ضروری ہے لیکن دنیا کے تصور کی واقعیت یہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ تصویر میں اصل کی کل جزئیات ظاہر کی جائیں اس کے لئے صرف اس قدر واقعیت کافی ہے کہ جو کچھ اس نے محسوس کیا ہے اور جس خاص بات سے وہ متاثر ہوا ہے اسکو تصویر میں نمایاں کرے اسی طرح شاعر کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے موضوع شعر کی تمام تفصیلات کا استقصا کرے یا ایک فلسفی کی طرح اسکی مکمل تشریح پیش کرنے کی کوشش کرے شاعر کا جو جذبہات کی طرف ہوتا ہے لہذا اس کو صرف ایک تاثر انگیز پہلو دکھا کر گزر جانا چاہئے بسا اوقات شاعر کا موضوع سخن ایک ایسی بے کیف و کم اور ناقابل ظہار حقیقت ہوتی ہے جو الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتی وہاں شاعر کی تصویر نا صرف استعدا ہے کہ اپنے موضوع شعر کی طرف دوسرے ایک اشارہ کر کے فنی طبع کے احساسات و ادراکات کو اسی طرح مانل کر دے اور جو کچھ شاعر نے دیکھا تھا اگر ٹھیک وہی نہیں تو قریب قریب وہی چیز شاعر کے مخاطب بھی نظر آنے لگی تھی نہ کہ باخوب کہا ہے،

۵۹

۱۔ اگر فوٹو ہوں تو تو ہی سب کچھ ہے جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا خود
 حسن مصوری کمال مصوری اور حسن مصوری میں فرق یہ ہے کہ ہر کمال حسن
 ہے مگر حسن کمال ہے کمال مصوری یہ ہے کہ تصویر اصل کے مطابق ہو یا یوں کہئے کہ تصویر
 خوبول اٹھے اس سے بحث نہیں کہ وہ تصویر کس چیز کی ہے، مگر وہ اشیاء اور نفرت انگریز
 کی تصویر بھی اگر ہو ہو کھنچے تو ایک نو نہ کمال ضرور ہے مگر حسن مصوری کے منافی ہے
 اسی طرح بعض اوقات مصور تصدیقاً واقعیت کا کوئی حصہ حسن تصویر کو قائم رکھنے کے لئے
 حذف کر دیتا ہے مثال کی ضرورت نہیں،

۲۔ روشناسی میں مصوری بہت متاثر ہے اور اگر ہے بھی تو علاوہ چند مستثنیات
 کے حسن مصوری سے عاری ہے بعض اشعار میں جس طرح کی مصوری کی گئی ہے اس
 کسی جذبہ کو تحریک نہیں ہو سکتی بلکہ جس جذبہ کی تحریک ان کا مقصود ہو سکتا ہے و
 اگر موجود رہے بھی ہوں تو اس تصویر کے نفرت انگریز سے فنا ہو جائیں مثلاً
 آنکھیں دکھلاتے ہو

اس قسم کی مثالیں حسن مصوری کی صنف میں نہیں آتیں حسن مصوری کی مثال میں
 نظام کی یہ غزل پیش کی جا سکتی ہے،
 انگریزانی یعنی وہ نہ پائے اٹھا کے ہاتھ دیکھا مجھے تو چھوڑ دیا مسکرا کے ہاتھ

دینا وہ اکن کا سانچے یا دہے نظام منہ پھیر کر اُدھر کو اُدھر کو بڑھا کے ہاتھ
ان اشعار میں محض کیفیتیں، بادی کی مصوری ہے لیکن اگر کیفیات و کیفیات کی مصوری
ہو تو اس سے بہتر چیز ہے مثلاً،

لئے جاتا تھا جنوں جانب صحرائیں دیکھتے جاتے تھے منہ پھیر کے گھڑی صورت
حسن مصوری کے لئے سلیقہ انتخاب حسن ترکیب اور سلاست مذاق لازمی ہے،
سلیقہ انتخاب سے مراد موضوع تصویر کا انتخاب ہے یعنی انھیں انشیا کی مصوری کی جاتا
جن میں بجائے خود کوئی اداس، دلکش ہو جو وہ ہے اور طبع انسانی سے ان کو فی نفسہ
مناسبت ہے، اور پھر اس موضوع تصویر کا وہی پہلو نمایاں کیا جائے جو قابل اظہار ہو،
اور وہ شاعری میں جن انتخاب کی مثالیں شاذ ہیں اور اکثر تو ایسی مصوری کی گئی چھٹی
طبیعت کا رہا ہوتی ہے مثلاً

جو برسات میں تادریار ہو چنے بہانہ کیا خود گرسے ہم بھیل کر
سبحان اللہ تصویر تو یہ ضرور ہے مگر کس کی؟ ایک، بوا، انوکھ، بد نصیب، اور بد مذاق
انسان کی، بوا، انوکھ اس لئے کہ خود بخود نہیں گرا بلکہ بہانہ کرتا ہے، بد نصیب اس لئے کہ
دیر تا رات پہونچ کر بھی آستان بوسی نصیب نہیں ہوتی بلکہ کجبت گرتا ہے تو کہاں؟
کچھ کچھ میں (لفظ کی صحت کا فیصلہ حضرات دہلی دیکھئے فرمائیے) یا مثلاً

۵۴

میں نے ان کے سامنے اول تو بجز رکھ دیا پھر کلچر رکھ دیا دل رکھ دیا سر رکھ دیا
اس میں تفصیل سے تصویر تو پیدا ہو گئی مگر کس چیز کی؟ ایک قصاب کی دکان پر
ہو گئی ملاحظہ ہو،

پھر کلچر رکھ دیا۔ دل رکھ دیا۔ سر رکھ دیا،

حسن ترکیب تصویر میں جو رنگ بھرا جائے وہ نہ بہت گہرا اور شوخ ہونہ
بالکل پھیکا اور پڑوہ بلکہ ایک خفیف توج اور تدریجی تغیر کے ساتھ شوخی و لطافت
و دونوں کی اس طرح آمیزش ہو کہ دونوں کے محاسن قائم اور نمایان رہیں لیکن ایک کو
دوسرے سے جدا کرنا دشوار ہو جس طرح سپیدہ بخری میں دن کی روشنی اور رات کا سکون باہم
مل کر ایک عجیب و غریب سماں پیدا کرتے ہیں اور یہ امتیاز دشوار ہوتا ہے کہ اس طبع شیریں
کی دلفیری میں شعاع آفتاب کا حصہ زیادہ ہے یا پردہ شب کی اس ہلکی سی شہ کا جو اشیاء
روئے آفتاب پر نقاب بن کر چھپی ہوئی ہے اور چند لمحوں میں نذر تجلی ہوا چاہتی ہے مثال
کے طور پر یہ شعر ملاحظہ ہو،

رخ نگین یہ چھین میں تسمیہ پناہ کی شعاع میں کیا پڑیں رگت نکھر آئی گلستا کی
رلیان شباب اور احساس جن کے چھوٹی آنر سے عارض گل رنگ پر جو ہلکا سا نورانی
توج ہے اس نے پیکر جمال میں بلا کی دلفیری پیدا کر دی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا

۴۳

سوچ کی شمعیں پھولوں سے کھیل رہی ہیں، رنگ اور نور کی اس آمیزش لطیف و دلنشین
کی شان دوبالا کر دی ہے،

ایک نکتہ اس شعر میں اور بھی قابل ملاحظہ ہے کہ کھلکھلا کر سنہناتا تو درکنار شاعرو کا
فوق لطیف تبسم آشکار کو بھی محبوب کی شان خود داری کے منافی سمجھتا ہے اور محض تنہا
پر اکتفا کرتا ہے،

سلامت مذاق ماحول سے مطابقت، سوسائٹی کے عیار تمدن اور موضوع تصویر
کی حیثیت و نشان کا لحاظ بھی حسن تصویر کا جزو و لا ینفک ہے اور ایسی کو یہاں سلامت و
سے تعبیر کیا گیا ہے مثلاً ایللی اور کوئن میری کی تصویر میں اگر چہ بجائے خود بالکل مطابق اصل ہیں
مگر ایللی کو صحرا سے بچدین سایہ پہنا کر موڑ میں دوڑا دینا اور کوئن میری کو اسکا ٹیلیفون کی
پہاڑیوں پر محل میں بٹھا کر جان بلی کے ہاتھ میں ناقہ کی ہمار دینا کتنی مضحکہ خیز ہو سکتا
عدم مطابقت ماحول سے جو بد مذاقی شعر کی مصوری میں پیدا ہو جاتی ہے اس کی تلخی
اور دو شاہی میں بکثرت مل سکتی ہیں، یہ دو شعر نمونہ کیلئے کافی ہیں،

مکالی مانگ اٹھوئے تو میرے دل نے کہا نکل ہی ہے مرگ یہ بلا کے آنے کی
یہاں پر مرگ کا ٹھیکل فقدان ذوق نہیں تو کیا ہے؟
اچھا ہے پاؤں یار کا رخت دراز میں تو آپ اپنے دم میں صیاد آگیا

۵۴

جس وقت یہ حادثہ وقوع میں آیا تھا اس وقت خوش قسمتی سے کوئی فوجی گرا فوجی وجود نہ
تھا جو جہاں جانان کی یہ دلفریب ہیئت کھینچ کر در و مندانِ محبت کو ہمیشہ کیلئے اس جگہ
مرض سے نجات دلا جاتا،

یہی درازی زلف غالب کے یہاں بھی ہے مگر دیکھئے کس شان سے ادا کی گئی ہے،
بھرم کھل گئے جانِ عالم تیری سچائی کی رازی کا اگر اس طرہ پر پیچ و خم کا تیر غم نکلے لکھ
غالب احترامِ حسن کا اندازہ دان ہے وہ یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ محبوب کے گدے جلد و لب
کرین یا پاؤں میں کچھ کر رہ جائیں،

یہاں ایک نکتہ اور بھی قابلِ ملاحظہ ہے، کہ ایک نقاش اور ایک شاعر کی مصوری
میں زمینِ آسمان کا فرق ہے نقاش جس پھرہ کے ذریعہ سے اپنے مخاطب سے اپیل کرتا
مگر شعری معنویت اور سبوتی باہم مل کر ایک طرف تو سامعہ کے ذریعہ سے شاعر کے احسا
کو مخاطب کی طرف منتقل کرتی ہیں اور دوسری جانب متخیلہ اس کیفیت کو شہم کے
نگاہ کے سامنے کر دیتا ہے اور اگر مصوری کے ساتھ اسرار و معارف کا بھی کوئی نکتہ
میں ادا ہوا ہے تو نفسِ ناطقہ بھی متاثر ہوتا ہے اور اگر نکتہ میں فوقِ عنوان کی بھی کوئی
چاشنی ہے تو انسانیت کے اس ملکوتی عنصر پر بھی عالمِ وجد و حال طاری ہو جاتا ہے جو
عام طور پر روحانیت کہتے ہیں،

یہاں بطور مثال جناب اصفہر کے کلام سے مصوری کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں،

(۱) قفس تک کس طرح صیاد لایا دیکھا ہوگا پڑے ہونگے ابھی کچھ بال پر کمر نشین مین

حفظ آزادی کے لئے جو سی ناکام کی گئی ہے اس کی کتنی صحیح تصویر ہے،

(۲) رخ رنگین چوچین مین تبہما سے پنہاں کی شمعین کیا پڑین رنگت کھڑی گھستائی

(۳) ڈوبا ہوا سکوت مین ہے جوش آندو اب تو یہی زبان مرے مدعا کی ہے

(۴) دشت نبوت کی طرف اک آکھ کر جرت کی گرد کو بہرون مرے اہل وطن دیکھا کئے

(۵) مستی سے ترا جاوہ خود عوض تماشا ہے اشفہ مزاجون لیکر کیف نظر دیکھا

عشق کی نگاہ شوق حسن پر ایک نشہ سا بھجا جاتا ہے یہ کیف جمال محبوب کو خود بخود نظر کے لئے بیتاب کرتا ہے نفسیات حسن و عشق کے اس دقیق کنتی کی کتنی صحیح مصوری کی گئی ہے،

(۶) یہ دیکھتا ہوں تیرے زیر لب تبسم کو
(۷) قفس کی یاد میں یہ غنطرابِ دل مٹاؤ
(۸) افتادِ گلِ عشق نے سراپا تو رکھ دیا
(۹) کچھ اس ادا سے مر اس مارِ عیاں بچھا
(۱۰) اس کی نگاہ نے چھید اچھ اس طرح
(۱۱) کہ بحرِ حسن کی اک موجِ مقررانہ ہو
(۱۲) کہ میں نے تو کر ایک ایک شاخِ آئینہ رکھی
(۱۳) جھنجھکی بھی تو نقشِ کف پالے ہوئے
(۱۴) ڈھلک پڑا میری آنکھوں سے گوہرِ نور
(۱۵) اب تک چل رہی ہے رگِ جان آرزو

۵۶

- (۱۱) رودا چمن تنہا ہوں اس طرح نفس میں جیسے کبھی آنکھوں سے گلستان نہیں دیکھا
 (۱۲) نہ کی کچھ لذتِ رفتادگی میں اقلنا پیچ مجھے دیکھا کب اٹھکر غبارِ کاروانِ برسوں
 (۱۳) آتھر مجھے جنوں نہیں لیکن یہ حال ہے گہوارِ ہامون دیکھ کے دیوار و در کو میں
 (۱۴) سب مرنے کیسے نورِ شیدا میں سے خراب میری آنکھوں میں تھا کہ سدا کے دلِ رام ابھی
 (۱۵) پھر گرم نوازش ہے نمونہ درخشان کی پھر قطرِ شبنم میں ہنگامہ طوفان ہے
 (۱۶) چمن کی موہین بین یا جوشِ تبسم ہے اس شوخ کے ہونو بزرگِ برق ہی لڑان ہے
 (۱۷) رہ رہ کے چلتی ہے وہ برقِ تبسم بھی لہریں ہی جو ہمتی ہیں کچھ چشمِ تناسے
 (۱۸) اس عارضِ رنگین پر عالم وہ نگاہوں کا معلوم یہ ہوتا ہے جھولوں میں صبا کی
 (۱۹) کجری کی لہریں نہ لہت بھی اس تبسم پر ہلکا سا ابر بھی سر سبز نہ دیکھتے
 (۲۰) کیا مرے حال پر سچ چرخِ عینِ علم تھا چاند تو نے دیکھا تھا تارہ سرِ ترکان کوئی
 (۲۱) میری فغانِ دروہ پر اس سرِ دناز کو ایسا سکوت ہے کہ تھا حنا کہیں جے
 (۲۲) جھٹی بکری رہتے ہیں بھی پر ہے کتابِ انکا اور میں چپ نہیں سکین نوازِ شہسپاہان کی
 (۲۳) تم دید کو کہتے ہو آئینہ ذرا دیکھو خود حسن نکھر آیا اس کیفیتِ تماشاء
 (۲۴) عارضِ رنگین پہ اس کے رنگ سا کچھ گیا ان گلوں کو چھیر کر ہم نے گلستانِ کجا
 (۲۵) لذتِ سجدہ ہمارے شوق نہ پوچھ ہمارے وہ اتصالِ تازِ دینار

اس جو بجا حسن سے سیراب ہے فضا رو کو نہ اپنی لغزش مستانہ دار کو
 ہم خستگان راہ کو رکھنا نصیب آواز کان میں ابھی بانگ درا کی ہے
 اسرار و معارف ایمان تک وحدت آباد سخن کی وہ نثر لیں یقین جہان تک و درجہ
 قنون لطیفہ کی رسائی ممکن ہے، لیکن اس سدا لفظی کے آگے اسرار و حکیمہ اور معارف الہیہ
 کی بزم علی شروع ہو جاتی ہے جہاں صرف شاعر کی تخیل کو باریابی کا اذن مل سکتا ہے اور
 یہی مقام شاعری کی معراج ہے اگر ایک شاعر عالم رنگ و بو سے گذر کر فلسفہ و حکمت کے نکات پہ
 سر بستہ مذہب کے اسرار و رموز اور درجہ اول سلوک و عرفان کی کیفیات مجرودہ اسی ترنم اسی
 جدت بیان اور اسی حسن و صوری کے ساتھ ادا کرتا ہے تو اس کی شاعری سحر کے گدڑ کر
 اعجاز بخاتی ہے اس طرح کے شاعر کے لئے بصیرت، تاثیر اور قوت بیان بنون کا اجتماع ضروری
 ہے یعنی ایک طرف تو قوت مشاہدہ اتنی تیز ہونی چاہئے کہ نہایت دقیق نگہوں تک پہنچ سکے،
 دوسری جانب احساس اتنا لطیف ہونا چاہئے کہ وہ غیر مادی حقائق سے بھی لذت اندوز
 ہو سکتا ہو اور ان دونوں مراحل کے بعد قوت بیان ایسی ہونی چاہئے کہ عرفان و ذوق
 کی اس مجموعی کیفیت کی تصویر یا ایک نئے انداز کے ساتھ شعر کے نغمہ و موزون میں کھینچ کر
 دوسروں کو بھی لذت اندوز کر سکے تو یہ ایک بالکل شاعر ہے
 اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ نظم و نثر کا جو فرق ہے وہ ایمان بھی قائم رہتا ہے

۵۸

ہمارے سحرانگہ حکمت اور لطیف سے لطیف تر معرفت کو محض خشک طبع پر نظم کر دینا
شاعری نہیں ہے، فلسفہ و حکمت یا نفسیات و تصوف کی مصطلحات کا بے ضرورت بار بار
اعادہ بھی شعر میں کیفیتیں پر نہیں کر سکتا بلکہ کمال شاعری یہ ہے کہ حقائق و معارف کو گل و بلبل
کی زبان اور باد و سناو کے رنگ میں پیش کیا جائے بقول حضرت اشعار،

پھر آج جو خوش مستحقیقت ہے ہوجزن کچھ پر وہ ہاے ساغر و مینا لے ہوے
یہاں پر غصہ اسرار و معارف کے چند نمونے کلام اشعار سے پیش کئے جاتے ہیں اور بعض
جگہ ان کے مطالب کی طرف ایک خفیف سا اشارہ بھی کر دیا جائیگا،
اب تک تمام فکر و نظر پر محیط ہے شکل صفات معنی اشیا کہیں جسے
یہی خیال اس شعر میں ادا کیا گیا ہے،

جس پر میری جستجو نے ڈال رکھے تھے حجاب بخود می نے اب اسے محسوس عوایں کر دیا
بھرمین نظر آتا نہ تماشا نظر آیا جب تو نظر آیا مجھے تہا نظر آیا
نظارہ بھی اب گم ہے بخود ہے تماشا اب کون کہے اس کو جلوہ نظر آتا ہے
تری نگاہ کے صدقے یہ حال کیا ہے مرا کمال ہوش کون یا کمال بے خبری
ایک طالب جلوہ ذات کے لئے یہ صفات بھی پر وہ ہیں اسی لئے اہل بصیرت علم و عوا
اس کو کہتے ہیں کہ انسان کے تمام ادراکات و احساسات پر جمال دوست کا استیا

۵۹

ناظر و منظور ذات و صفات کا فرق مٹ جائے اسی مقام کو اصطلاح سلوک میں فنا کہتے
 تہیں خود و خود حسن میں شائیں چھا کی بھگو خبر رہی نہ ہی جبے نقاب کی
 جس طرح کمال بے خبری ہی اصل علم و عرفان ہے اسی طرح کمال ظہور بھی عین حجاب ہے
 اس حقیقت کی کتنی دل کش مصوری اس شعر میں کی گئی ہے اس فلسفہ کے متعلق جناب اختر
 کی ایک نظم "دہر فنا" ہے جو غالباً اپنی جامعیت کمال کے لحاظ سے زبان اردو میں بے پناہ ہے
 لہ باب و ذوق دیوان میں ملاحظہ فرمائیں، حقیقت ان اشعار میں بھی نمایاں کی گئی ہے۔
 پردہ حرمان میں آخر کون ہے اسکے ہوا اے خوشاد و دوسے کہ نزدیکی بھی ہڈی پہنچی
 حشر کا کام میری کام سے غافل نہیں اک طلع مخمور یہ درد و مجوری بھی ہے
 میں تو ان جویوں پر بھی سرا پا دیدہ ہوں اس کے جلوہ کی ادراک نشان ہمتی بھی ہے
 میری عروسی آندہ تیرے ہی اس نے صدا قرب کی راہ میں سیکراہ اک درد بھی ہے
 فلسفہ حسن و عشق | حسن و عشق کے ربط و باہمی کی نسبت مختلف نظریے ہیں بعض کے نزدیک
 حسن فی نفسہ کوئی چیز نہیں، خود ہمارا ذوق نظر و تہا رہی ہے مابقی شوق ایک چیز کو کہا
 لگاؤ میں محبوب بنا دیتا ہے یعنی بہ الفاظ دیگر عشق خالق حسن ہے اور سرانظر یہ ہے کہ
 اصل حقیقت محض حسن ہے اور حسن کا تقاضا ہے، ظہور و خود نمایاں اور یہ تقاضا عشق کا
 محرک اور خالق ہے، مذہب کی اصطلاح میں اسی کو توفیق کہتے ہیں، تیسرا نظریہ یہ ہے

۶۵

کہ حسن و عشق دونوں اپنی اپنی جگہ پر مستقل ہتھیان ہیں مگر ہر شخص کا میا حسن فطری
 طور پر مختلف ہوتا ہے اور فطرت اپنے میا پر بند کی جستجو میں رہتی ہے اور جب اتفاق سے وہی
 چیز آجاتی ہے تو وہی ہوئی چنگاریاں بھڑک اٹتی ہیں اور اسی تطابق میں حسن و عشق سے دونوں
 کا فطری رنگ نکھرتا ہے چوتھا نظریہ یہ ہے کہ تمام کائنات عالم چونکہ محض ایک حسن باری
 کا پر تو ہے لہذا حسن و عشق کی حقیقت ایک ہے شائین مختلف ہیں حضرت اسفر کے کام
 سے ہر نظریہ کے متعلق مثلاً لایمان چند اشعار پیش کر دیے جاتے ہیں جس سے ان کے کمال
 کا اندازہ کیا جاسکتا ہے،

پڑھ لکھ اٹھا تو صاحب محل نہ تھا	بھٹین نگاہ عشق کی رنگینیاں چھائی ہوئی
دیکھو اٹھا کے پردہ ایوان آرزو	اسمین وہی مین یا مرا حسن خیال ہے
مین خود کو دیکھتا ہوں کہ تصویر یار کو	میرے مذاق شوق کا اسمین بھر ہے رنگ
وگر نہ عشوہ طرازی نقش پا معلوم	جہین شوق کی شوریدگی کو کیا کیجے
بسا آئینہ حسن خود نما معلوم	تم جو چاہے کرے مجھ پہ ذوق مکتس نظر
سو حسن کروں پیدا ایک ایک کائنات	وہ عشق کی علم سے شاید نہیں واقف ہیں
بھر قطرہ شبنم مین ہنگام طوفان ہے	پھر گرم نواز شمع منور درخشان کی
یہ جو بڑی خون کی رنگینی پیکان ہے	اک غنچہ انسرہ یہ دل کی حقیقت تھی

۶۱

نظر ایسا بھی ایک جلوہ تھا اس میں چھپا ہوا اس رخ پر دیکھتا ہوں میں اپنی نظر کو میں
 نگاہ شوق کو بار بار اسے سیر و دوہانہ ہو جو ساتھ ساتھ تجلی حسن یا نہ ہو
 مستی سے ترا جلوہ خود غرض تھا کہ آشتی نگاہ ہو نہ کیا یہ کیفیت نظر دیکھا
 بخون کی نظر میں بھی شاید کوئی لیلیٰ ہے ایک ایک گوشے کو دیوانہ بنا آئی
 جو تھا نظریہ وہی ہے جسکو مطلق سلوک میں وحدت الوجود کہتے ہیں،
 وحدت الوجود کا مسئلہ قدمائے لیکر آج تک تمام شعراء باکمال کا موضوع غن
 رہا ہے اس پامال مضمون پر قدرت بیان سے صغرنے وہ محرکریان کی بین جلی مثال
 موجود شاعری میں تلاش کرنا سبب لاجل ہے،

جوفش ہے ہستی کا دھوکا نظر آتا ہے پردہ پر پھوڑ ہی تمنا نظر آتا ہے
 کوشع حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے فانوس کی گردش میں کیا کیا نظر آتا ہے
 اسے پردہ نشین غنہ کیا ہے چشم تما کو تو دفتر گل میں بھی دوا نظر آتا ہے
 کس طرح حسن دوست ہے بے پردہ آئینا صدا ہا حجاب صورت و معنی لئے ہوئے
 کچھ غنمت ہو گئے یہ پردہ ہے آب و رنگ حسن کو یوں کون رہکتا تھا تو دیکھ کر
 بند ہوا نگہ اٹھے منظر فطرت کا حجاب لاؤ اک شاہد ستور کو عریان کر دین
 غلچہ چہرہ جو قصد و ارادہ سے ظہور میں آئے، ارادہ کے لئے اختیار ضروری اور اختیار

کے لئے اوجہ سے خودی لازم اور عبادات کی اصل یعنی عبادیت اور تجوید ہے لہذا اعمالِ عبادت
سے فوق و سرے کا درجہ بلند تر ہے،
کہ حق پر عمل میں دعویٰ الٰہی کی معصیت مستون نے اور درجہ تکالیف کی
سکر و صحر کا نقطہ اعتدال

بہت لطیف اشارے تھے چشم ساقی کے نہ میں ہوا کبھی بخیر نہ ہوا ہوا
نہ ہو گا مستی بے مدعا کار از دان بر پوٹ وہ زام چور با سر گشتہ سود و دنیاں پر پوٹ
بگدا و ہی نضاد دل بے مدعا کی ہے دیکھا ہے رفت و وصل و شب انتظار کو
کیا درو چور اور یہ کیا لذت وصال اس سے بھی کچھ بلند ملی ہے نظر بھجے
یہ دین اوہ دنیا ہے یہ کعبہ وہ تھانہ ایک اور قدم بڑھ کر اسے بہت عروج
اسلام میں فطرت ہے اسلام کے معنی ہیں تفویض یعنی اپنے تمام ارادات و حرکات و سکنات
غضکہ اپنی تمام سستی کو رخصت الٰہی کے بلند کر دینا اور یہ ظاہر ہے کہ کائنات کا ایک ذرہ
بھی احکام قدرت یعنی قوانین فطرت سے مجال مرتبائی نہیں رکھتا، اس طرح ہر تمام و جز
عالم مسلم بین الفرق ہے صرف اختیار و منظر ایک ایک وہی کو بظاہر خدا کا شکر ہے مگر اس کا
فطرت انکار نہیں کر سکتی اسی کی طرف قرآن مجید کا اشارہ ہے، اذ خیر دین اللہ یعون
ولما سلم من فی السموات والارض طوعا و کرہا، اس نکتہ کو صغریٰ زبانی

۶۳

ہوں فرماتے ہیں،

مرا وجود ہی خود انقیاد و طاعت ہے۔ کہ ریشہ ریشہ میں ساری ہے ایک جین جود
 جینا بھی آگیا ہے مرنایا بھی آگیا۔ پہچانے لگا ہوں تعاریف تفرکوں
 دنیائے فاموشی میں تجلی کی ساری فضائے بسیط آجاتی ہے، لیکن تکلم اس بزمیکہ
 کو محدود کر دینا ہے،

اگر خوش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے جو کچھ کہا کہ ترا حسن ہو گیا محدود
 پنج حق تیس سے ظاہر ہو کہ باطن ہو یہ قید نظر کی ہے وہ فکر کا زنداں ہے
 پیام حیات

کسب حیات تو تری ہر ہر ادا سے ہے مرنایا پسند خاطر اباب جاں نہیں،
 اک جہد و کشاکش ہو جیتی جیسے کہتے ہیں کفار کا مٹ جانا خود مرگ مسلمان ہے
 ایک ایک نفس میں ہے صدر مرگ بلا مفر مرنایا ہے بہت شکل مرنایا بہت آسا ہے
 ذوق طلب

اٹھاپے دروگر جان ہے تشنہ نشتر مجھے ہے آج تلاش کمال چارہ گری
 مہر بوجھت سے اک خیز لاہوتی چہر موج ترنم سے بیتاب لگ جان ہے
 گم صاحب تکلیف ہے افسانہ محفل میں عجبون کو وہی لیکن پیغام بیابان ہے

۶۴

غم و انتقال
 افتادگان عشق نے سراپور کھدیا
 اٹھیں گے بھی تو نقش کف پائے ہوئے
 اہمے سوز و گداز کے ساتھ اہمائی استغنا
 نہ کی کچھ لذت افتادگی میں اعتنائیں
 بچے دیکھا کیا اٹھکا غبار کاروان برہن
 ایک مرتبہ ہستی ہول کی تابع نہیں ہوتی بلکہ اپنا ماحول خود پیدا کر لیتی ہے
 نیا عشق کو بجا ہے کیا اسے واعظان و ان
 ہزاروں بچے کچھ جین میں بچے جانا کدہری
 رند جو طر اٹھالین وہی ساغر بجائے جس جگہ ٹھیکے پی لین وہی بھجائے
 یہاں تک شعر کے اجزائے چہارگانہ کی نسبت چند اجمالی اشارات تھے، اگر کسی شاعر کے
 کلام میں یہ تمام اوصاف یکجا ہوں تو یہ سراج شاعری ہے مگر جس طرح عنصر کے قوام و ترکیب
 جو مزاج پیدا ہوتا ہے وہ ہر ذی روح میں مختلف ہوتا ہے اسی طرح ہر شاعر کا نمونہ کلام بھی
 مختلف ہوتا ہے اس اختلاف رنگ سے ان کے مدارج کمال میں فرق پیدا نہیں ہوتا
 بشرطیکہ رنگ خود سفید نہ ہو ورنہ تبدیل نہ ہو جس طرح کسی پہاڑ کی چوٹی سے آبشار کی ویسے
 چادر کا منظر ار کے دامن میں زور و شور سے گرنا اور اس پر آفتاب کی کرنوں سے عالم
 پیدا ہو جانا جیسے خود ایک حسن مستقل ہے اسی طرح سرو کی دور و دور قطاروں کے دیکھا
 سے ایک خفیفہ ترنم کے ساتھ جو سے روان کابل کھا کر نکالنا اپنی جگہ پر اک نغمہ رنگین ہے

۶۵

اگر بھول کی بکھری پر نقاب صبح کی دوشیزہ شمعون کا قصہ ولا دینے تو دامن فخر میں طاق
طناز کا عالم خودی میں بچنا کچھ کم نشاط انگیز نہیں، اسی طرح ستائی اور بولا ناروم، فردوسی کا
سعدی و حافظ، نظیری و عقی سب اپنی اپنی قوم کے شہنشاہ ہیں لیکن ہر ایک کا مقرر
شاہی مختلف ہے، دور کیوں جائے اور دوسرے وجودہ شہر میں قومی رجحان کی حیثیت سے
ڈاکٹر قبائل اور پاکیزہ نازل میں اصغر و فانی اپنی اپنی جگہ پر بے مثل ہیں لیکن ان میں سے ہر
کارنگ جدا ہے،

شاعری و حقیقت خود شاعری کی باطنی کیفیات کا آئینہ ہوتی ہے جس میں شاعر کے تمام
خود و خال صاف طور پر نمایاں ہوتے ہیں بقول اصغر

اصغر سے ملے لیکن اصغر کو نہیں دیکھا اشعار میں سنتے ہیں کچھ کچھ نمایاں ہے
جناب اصغر فطرۃ شہید الاحساس، بلند فکر اور صاحب وجد و حال ہیں اس لئے ان کا
ایک ایک شعر نبدی خیال، شکوہ، الفاظ، رقص ترکیب، جوش بیان اور ندرت اور اس کا
ایک و لفر طبع ہے، اسرار و سار و ناکہ شاعری کا ہیولی، وجود و حال اس کی رنج
ندرت اور اس کی صورت اور جوش بیان اس کا رنگ ہے، شاعرانہ لہجہ، خط و طبع
۱ کیا خفیض بنیہ میں رخ بے نقاب کی ندون میں رنج و دلگی آفتاب کی
۲ سرگرم تلی ہو اسے جلوہ جانا نہ اڑ جائے دھوان بکر کعبہ ہو کہ تیرا

۳ انوار کی بارش ہو، اسرار کی پریش ہو۔ ساغر کو چمکادون اس گنبد مینا سے
 ۴ خزن گل سے لپٹ کر دین مر جانا تھا۔ اب کیسے کیوں گلہنگی دلمان کوئی
 ۵ لذت سجدہ ہائے شوق نہ پوچھ۔ ہائے وہ اقبال ناز و نیاز
 ۶ قلب پر اب تک برتی ہے شمع برقع۔ خون کے قطر و نہیں ایک قصہ مضوی بھی
 ۷ نام اگا گیا کہین ہنگام باز پرس۔ ہم تھے کہ اڑ گئے صفحہ عشرت بھوئے
 ۸ شوق سے ہے ہر گنگان جیت مین۔ لے آئی کی بوے پیرا ہن کسان

حقیقت یہ ہے کہ غالب و مومن نے اساتذہ ایران کے تتبع اور اپنی زور طبیعت سے
 اردو شاعری میں جو دوسرے باب اعجاز کئے تھے وہ محض نقشِ اول تھے جنابِ اختر
 حکیم مومن خان کے سلسلہ تلامذہ میں مین اور غالب کے شیدائے مین اور خوش قسمتی
 بادہ خوان کے ذوق شناس بھی ہیں اس لئے انکی شاعری میں حکیم مومن خان کی عذرت
 اسلوب اور گفتاری ترکیب اور غالب کا زور بیان اور نکتہ آفرینی شیر و شکر ہو کر ایک نئی عکاسی
 میں جلوہ گر ہوئے ہیں جنہیں تصویفِ مومن خان نے تاثیر کی طرح چھونک دی ہے، انکی شاعری
 چونکہ نقشِ ثانی ہے اس لئے نقشِ اول کی خامیوں سے پاک ہے، اس حیثیت سے اگر انکو
 ایک طرزِ خاص کا موجد کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں ہے،
 جنابِ اختر کا مجموعہ کلام اردو کی دیر سے نظم میں بہترین شاعر ہمارا ادب ہے

7 -

جو ہر حیثیت سے اس کا مستحق ہے کہ یونیورسٹی کے اعلیٰ درجہ میں داخل لکھن ہو مگر
 اس کو کیا کیا جائے کہ مرد پرستی اور کورانہ تقلید کا مرض عوام سے گذر کر خواجہ گل میں پیرا
 کر چکا ہے اور کسی زندہ اہل قلم کو ہمت داری و دوا فروشوں کی طرح تاجرانہ زندگی کا غور نہ ہو
 ہم معصوموں سے خرچہ تمسین یا درباب مناصب سے اعتراف کمال کی توقع رکھنا محض فحش و
 غولیات اصغر کی سیبے بڑی خصوصیت معیار اخلاق کی بلندی ہے آپ کو تلاش
 بھی ایک شعر کا مہر میں ایسا نہیں مل سکتا جو اعلیٰ ترین معیار تہذیب سے فروتر ہو
 حسن و عشق، وصال و چرموز و گداز حسرت و یاس و جوش و وارفتگی ہست و انبساط
 غم و غم کے ہر طرح کے جذبات نظم کے گئے ہیں لیکن کہیں بھی یہ نہ ہو شوشی، عایسانہ ابتذال
 غلامانہ و نانات اور منافقانہ قصص کا شائبہ تک نہیں اور میرے نزدیک افاویت شاعری
 کے لئے اسی قدر کافی ہے، اس سے تجاوز نہ کرنے کے بعد شاعر کو "واعظ" بنانا ہے، بھڑ
 دور سے کچھ پیشتر شاعری کی نسبت جو نظریہ تھا اس نے شعرا کو تمام اخلاقی ذمہ داریوں
 سے آزاد کر دیا تھا بڑے بڑے علماء روزِ بد اس خرابیات میں آکر ناچنا فرماتے تھے
 اس قابل نفرت ہے اعتدالی نے ردِ عمل پیدا کیا اور اب موجودہ دھرمین یہ نظریہ بالکل
 بدل گیا ہے بیان تک کہ اب بعض درباب نظر کی رائے میں ہر شاعر کا ایک مخصوص شخص
 ایک متعل مذہب، ایک خاص دینی یا پیام ہونا چاہئے جو اس کے تمام فکر و عمل کا محور ہو،

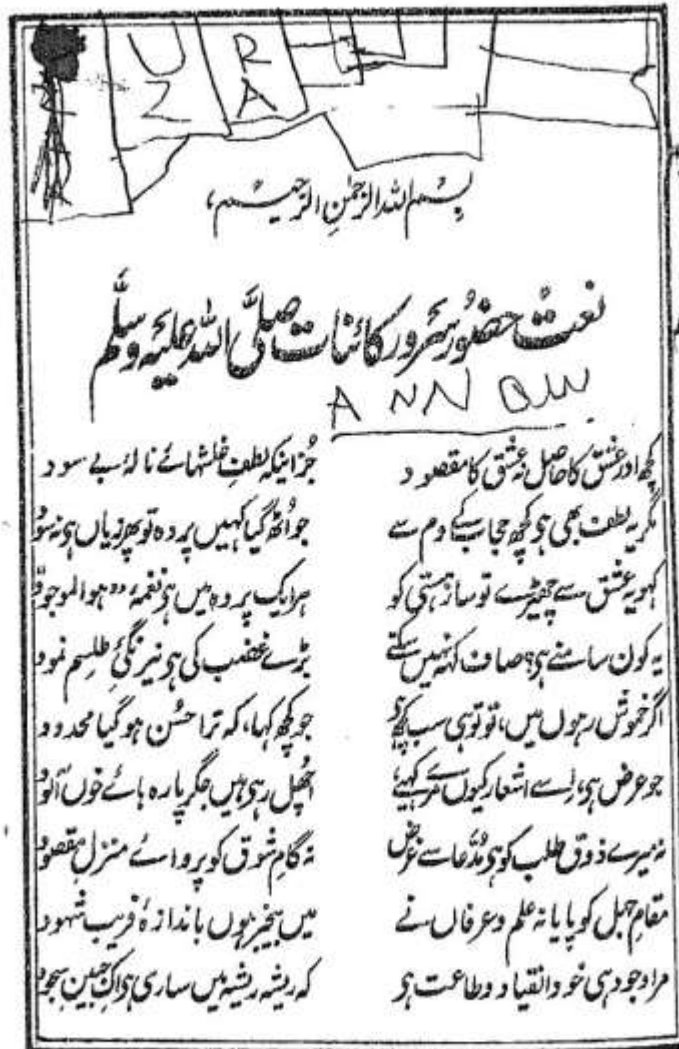
یعنی براۓ الفاظ دیگر ہر شاعر کو ایک مختصر سانی ہونا چاہئے، میرے نزدیک یہ تفریط بھی گزشتہ
افراد کا لازمی نتیجہ ہے، اور جس طرح پہلا نظریہ مرکز اعتدال سے تجاوز تھا اسی طرح موجودہ نظریہ
بھی صحیح نہیں،

شاعری ایک فن لطیف ہے جس کا تعلق محض حیات و جذبات سے ہے، ایک شاعر
کی زبان سے حالت تاثر میں جو نئے نکل جاتے ہیں وہ خود اس کی قلبی کیفیات کا نتیجہ
ہوتے ہیں، اس کو اس سے کوئی بحث نہیں ہے کہ خارج میں اس کے تعلق کیا قریب
ہوں گے کسی مقصد غرضی کو پیش نظر رکھ کر شعر کہنا خود غموم شعر کے منافی ہے، ایک
بیل ہزار روستان کو کیا خبر کہ عطار اس کے محبوب کا شربت ورد بنا کر دام کھڑے
کرتے ہیں، وہ تو محض عارض گل کے رنگ، اولطافمت کی شیدائی ہے، اور صرف
ذوق نظر اور فہم رنگین اس کا اہتمامی نصب العین ہے، خالق باری اور زینت الخلق
کے کار و بار ہونے میں کس کو شہدہ ہے مگر کیا یہ شاعری ہے، بویوان و اسع اور ہر شعر
سمیت اخلاق سے کون انکار کر سکتا ہے مگر کیا یہ صحیح نہیں کہ جہاں تک نفس شاعر
تعلق ہے اور زبان میں دونوں بنے نکل ہیں، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ میں
کی شاعری کو اچھا سمجھتا ہوں، میں جانتا ہوں کہ یہ رنگین سانپ محض عجائب و
زیب و زینت ہو سکتے ہیں، ہستین میں پالنے کی چیز نہیں ہیں مقصد صرف یہ ہے

، ،

اگر اوجہیات سے کامل ہوا اور ساتھ ہی خرب اخلاق نہ ہوا، بلکہ ضمن بندۂ اخلاق کی بود
اس میں موجود ہو تو کمال شاعری کے لئے شخص اس قدر کافی ہوگا، کسی مستقل مسئلہ کی
تعلیم کمال شاعری کا جزو لازمی نہیں ہے البتہ اگر خود شاعری قومی، مذہبی، ملکی یا اخلاقی
و لولہ سے سرشار ہے تو لازمی طور پر اس کی شاعری میں یہ رنگ نمایاں ہوگا،
نفس شاعری کی نسبت عموماً اور کلام اشعر کے متعلق خصوصاً جو میری ناچیز رائے تھی
اس کا ایک اجمالی خاکہ بطور بالامین پیش کر دیا گیا ہے میں اس سے بجز نہیں ہوں کہ کتبہ
کی اصطلاح میں پرگوئی اور یا وہ گوئی مراد وہ الفاظ ہیں میں یہ بھی محسوس کر رہا ہوں
کہ اشعر کے مختصر اور منتخب مجموعہ کلام پر جو درحقیقت عطر شاعری ہے اس قدر طویل الذیل تبصرہ
سخت نعل اور بیہ چور معلوم ہوگا مگر آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنی جانب سے
انتہائی ضبط و انضام کی کوشش کی ہے، اور بہت سے مباحث کو تشہہ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا ہوں
(بہر حال مجھے امید ہے کہ معنویت کی کمی بہت کچھ زیادتی الفاظ کی تلافی کر دیگی، پھر بھی آخر
میں اعتدالاً یہ کہہ کر رخصت ہوتا ہوں :- ”لذیذ بود حکایت دراز تر گفتن“
اقبال احمد سہیل

اسگر گوندوں ان عظیم شاعر ہیں
کہیں ہیں جن کی لکھی گئی سوجھ بوجھ کی دنیا
کے بار بار - سچائی کی دنیا
16/7/16



77

”بے خبری“

ہزار جامہ دری صد ہزار بخیہ گری ۴ تمام شورش و تلکس شمار بے خبری

سکون شورش نہاں ہو شغل جاہ دہی
مزان عشق بہت معتدل ہو ان دہی
یہ دہر ہر ہن مو اب ہونڈے نکلی
جو بچہ گزری ہو شب بھر وہ دیکھا ہوا
اٹھا ہر درگ جاں ہے تشنہ نشتر
نگاہ ناز کی کیفیتیں ہیں دل میں دہی
تری نگاہ کے صدمے یہ حال کیا ہو مرا
غضب ہوا کہ گریباں ہو چاک ہو نیکو
کسین ہو عشق کہیں ہے کشش کہیں کت
حال تھا کوئی ہوتا یہاں سوا تیرے
وہ ہر عیاں میں نہاں ہو وہ ہر کسین کا

قریب سے سوزاں ہو نالہ سحری
جگر میں آگ دہتی ہو آنکھ میں ہو تری
کچھ ایسے زور پر ہو آج کا دشب جگری
چمک رہا ہو شہ پرستارہ سحری
مجھے ہو آج تلاش کمال پارہ گری
کہ روح تن میں ہو شینہ میں حط ہو پری
گمال ہوش کہوں یا کمال بے خبری
تھائے حُسن کی ہوتی ہو آج پردہ دہی
بھرا ہے خامہ فطرت میں رنگ فتنہ گری
یہ کل جہان ہو منت پذیر کم نظری
عجیب طرز حجاب و عجیب جلوہ گری

۴

کچھ اس طرح ہوئیں عاجز و ذلیل اسکی
 نزول پیکر خاکی پر روح غلام کا
 کرم کچھ آج دوسانی کا وہ طرب انگیز
 اُس آستان سے اٹھائی نہ چھوڑیں چنے
 چھپی ہوئے نگاہی میں روح قیامی
 نہ جاسیے حری بگڑی ہوئی اداؤں کی
 جو شوقیوں سے لیا جو حال سیتابی
 لئے ہیں زلف سے شنگی کے کل انداز
 خموش ہنر پہ وہ کوش و ہرزہ سرا
 بگوش ہوش شنو پند حافط شیراز
 کہ میری آہ کو جواب تلاش ہے انری
 دے کمال سرفرازگی و سبے ہنری
 کہ جرم جرم جو موج تہم محسوری
 ہر دم میں سجدہ پیغمبری ایک دروری
 ملی جو حسن تبسم کو ریزش شری
 کہ عاشقی میں مے حسن کی ہو جگہ گری
 تو جوش حسن سے پانی آؤ کجامہ دہی
 نگاہ مست سے پہنچا جو حسن بخیری
 کہ حسن عشق کی اپنی نہیں ہو پڑوی
 چہ نکتہ است بہ طرز ترنم شکری
 کہ زہر خمر کشنیدی رہے بہ حیرت و شہادت
 ازین پس من و ساقی دو غنچہ بخیری

سرفنا

رہانہ دل میں وہ احساس دعا باقی
 نہ روح میں ہو وہ بیتابی دعا باقی

نہ وہ کلام میں رنگینی ادا باقی	وہ لب پہ شوق طلب کی علامتیں ہیں
نہ اب خدا ہوسن ظلم ناروا باقی	نساء شہب جہراں کی لذتیں نہ ہیں
رہا نہ دلولہ آہ ناروا باقی	شرارتیں بگم شوق کی ہوئیں نصحت
نہ تاراشک کا اب کوئی سلسلہ باقی	دل حزین میں ترسپنے کی وسکت نہ ہی
نہ وہ لطیف خلش دل میں اب فدا باقی	لکھنک کہیں رہی در دجاں نماز کی آپ
نہ گھٹنگ کوئی باقی نہ ماجرا باقی	غضب تو یہ جو کہ ہوساز عشقی خاموش
نہ اب وہ شوق کی نیرنگی ادا باقی	نہ اب ہر عرض مطالب میں شوخی عورتوں
دو اسے درد نہ اب جو بے دوا باقی	رہی نہ وصل کی لذت نہ ہجر کی کلفت
کہ اب نگاہ میں عبرت نہیں فدا باقی	یہ دیکھنے کی ہیں نکھیں نظر نہیں آتا
نہ اب وہ لذت بھیاں کا دلولہ باقی	نہ اب وہ ذوق عبادت کی سی لاصل
خیال میں نہ رہا رنگ ماسوا باقی	نہ وہ بیاض حقیقت پہ نقش آرائی
کہ مدعی کا پستہ ہے نہ مدعا باقی	بڑا غضب یہ دل شعلہ آلودہ کیا
نہ اب وہ غم ہے لفظ و بے صدا باقی	رہا نہ تار گجہاں میں ارتعاش خفی
بقا کا ہوش نہ اب مستی فنا باقی	خبر نہیں ہو کہ کیا حال ہو کہا ہوں میں
یہی رہا جو کہ اب امتیاز بھی کسے	جو بیا تو یہ سوز و ساز بھی کسے

غزلیات

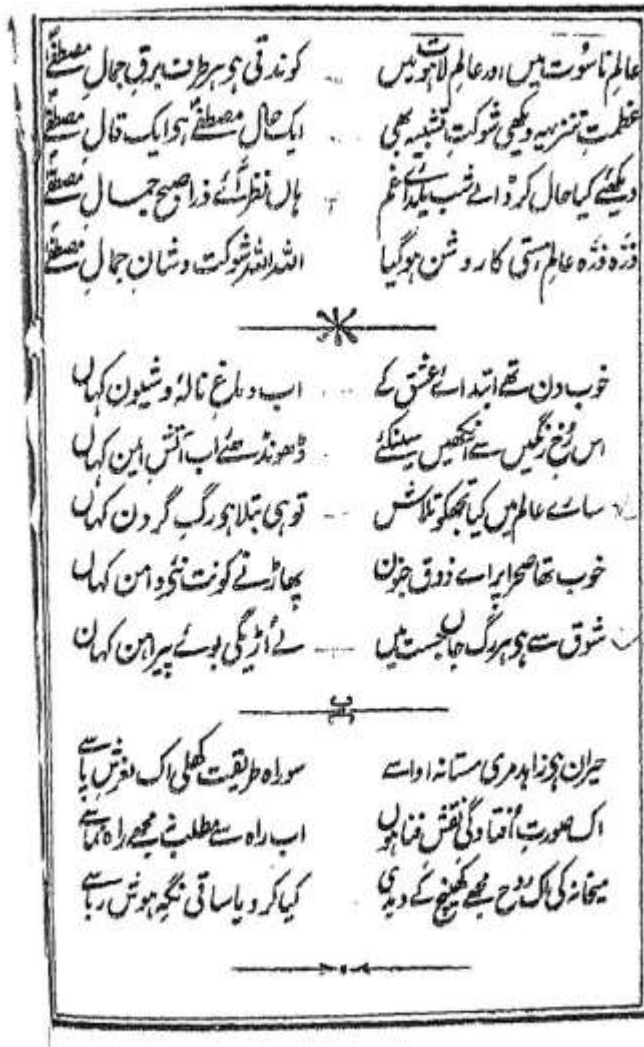
ادنی سایہ حیرت کا کثرہ نظر آیا جو تھا پس پردہ سر پردہ نظر آیا

—*—

پھر میں نظر آیا نہ تماشا نظر آیا	جب تو نظر آیا مجھے تماشا نظر آیا
اشدر سے دیوانگی شوق کا عالم	اک قص میں ہر ذرہ صحر نظر آیا
اُسے عجب انداز سے دُشمن غیب	چڑھتا ہوا اک حُسن کا دریا نظر آیا
کس مجھ تر حُسن بھی آشوب جہاں	جس دُرسے کو دیکھا دُشمن نظر آیا
اب خود ترا جلوہ جو دکھا دودھ دکھا	یہ دیدہ بینا تو تماشا نظر آیا
تھا لطف جنوں دیدہ خونبارہ دشت کا	پھولوں سے بھرا دامن صحر نظر آیا

—:~:—

دل نہ تار مصطفیٰ جہاں پائمال مصطفیٰ	یہ اویں مصطفیٰ ہی وہ بلال مصطفیٰ
و دونوں عالم تھے مسرت عینِ قیام	میں خدا سے کر رہا تھا جب ال مصطفیٰ
سب سمجھتے ہیں اسے شمعِ شبستانِ چرا	نورِ کونین کا لیکن جہاں مصطفیٰ



قندہ سامانوں کو خونہ کرے محقر یہ کہ آرزو نہ کرے
 پہلے ہستی کی ہوتا شش ضرور چہر جو گم ہو تو جستجو نہ کرے
 مادر سخن بھی ہے کچھ بات بات یہ ہے کہ گفتگو نہ کرے

وہ اک دل و دماغ کی شادابی نہا گرنا چمکے اُفت تری برق بنگا کا
 وہ لذتِ اہم کا جو غور سمجھ گئے اب ظلم چھپہ ہے ستم گاہ گاہ کا
 شیشے میں موج کو کیہ کیا دیکھو بہن اس میں جواب ہوا ہی برق بنگا کا

عشق ہی سہی مری عشق ہی حاصل میرا یہی منزل ہی ہے جادہ منزل میرا
 یوں اڑاے لہو جاتا ہے مجھے دل میرا ساتھ دیتا نہیں بٹا وہ منزل میرا
 اور آجائے نہ زندانی و جنت کوئی ہے جنوں خیر بہت سزا سلا میرا
 میں سراپا ہوں تنہا ہمہ تن ہونے ہرین ہو میں ترپنا ہو سدا میرا
 داستانِ مکی اداؤں کی ہر گز نہیں ✓ اہیں کچھ خونِ تنہا بھی جوشاں میرا
 سبے نیازی کو تری کچھ بھی پذیرا نہ ہوا نکارِ خلاص مرا شکوہ باطل میرا

ہے ایک ہی جلوہ جوادِ عربیؐ جو اُدھر بھی
 اُٹینہ بھی حیران ہو اُٹینہ مگر بھی
 ہو نور پہ کچھ اور ہی اک نور کا عالم
 اس رخ پہ جو چھا جائے مرکبِ نظر بھی
 تھا حاصلِ نظارہ فقط ایک تحسّر
 جلوے کو کہے کون کلابِ گمِ نظر بھی

مستی میں فروغِ رخِ جانانینِ کیا
 ۲ سنہ ہیں بہار آئی گلستانِ نہیں کیا
 زاہد نے مرا حاصلِ ایمانِ نہیں کیا
 ۲ رخ پر تری زلفوں کو پریشانِ نہیں کیا
 اُسے تھے سبھی طرح کے جلوہ دوسرے آگے
 میں غمِ گمراہ دیدہ حیرانِ نہیں کیا
 اس طرح زمانہ کبھی ہوتا نہ پُر آشوب
 فتنوں نے ترا گوشہ دامنِ نہیں کیا
 ہر حال میں بس پیشِ نظرِ وہی صورت
 ۲ میں نے کبھی شے شبِ حیرانِ نہیں کیا
 کچھ دعویٰ لگیں میں ہو معذور بھی زاہد
 مستی میں تجھے چاکِ گریبانِ نہیں کیا
 رو و اچھن نہتا ہوں اس طرح قفسِ میں
 ۲ جیسے کبھی آنکھوں سے گلستانِ نہیں کیا
 کیا کیا ہوا ہنگامِ جنوں یہ نہیں معلوم
 ۲ کچھ ہوش جو آیا تو گریبانِ نہیں کیا
 شائستہ صحبت کوئی ان میں نہیں صغیر
 ۲ کافر نہیں کیلے کہ مسلمانِ نہیں کیا

رخِ نگینِ جو ہیں تہمِ ہاؤں نہاں کی ✓ شعاعیں کیا پڑیں بختِ بھگوانی گھبراہٹ کی

تھاباں نے ڈالکر حقیقت چہرہ پاکی	ہمدردی بخت ہو جاتی ہے بخشش کفر و ایمان کی
روانی رنگ لائی وید خوشنما بہ افشاکی	اُترائی ہو کر تصویر دہن پر گلستاں کی
حقیقت کھول دیا میں جس کے راز دنیا کی	قسم دیدی ہو لیکن نہیں چاک گریباں کی
مری اک بچہ دی میں سیکڑوں خوش و غم	یہاں کے قہر و قہر میں رسول کی بیباں کی
مجھے سب کو دے رہے ہیں مجھے ہے عتاب نکا	اوہیں چھپ نہیں سکتیں فرائض ہائے نہاں کی
اسیران بلائے آہ کچھ اس درد سے کھینچی	نگہبان چہرے اٹھے ہلکی دیوار زونال کی
نگاہ یاسن آہ عاشقان و نالہ لبس	معاذ اللہ کتنی صورتیں ہیں ان کی کیاں کی
اسیران بلا کی حسرتوں کو آہ کیا کہئے	ترپ کے ساتھ اونچی ہو گئی دیوار زونال کی

اوصدہ خندہ لکھا رنگین صحن گلشن میں	اوصدہ گنگ لکھا ناوہ بلبل کے نشین میں
بنائی بادہ نوشوں کی بہا لائی گلشن میں	لبت دھل ہی ہو چکے ہیں بھول دہن میں
پتہ عشق میں تھی وصل میں ہی ہوئی بھکھو	چمن میں بھی ہی ہلکے ہو چکے ہیں شبنم میں
مری درخت پر بحث آلیا پہنچ نہیں تیرا صبح	ہرستہ باندھ کے ہرگ یاسین نے دہن میں
ابھی کون سمجھے میری آشفقہ مزاجی کو	قفص میں چین آتا جو رستہ ہے نشین میں
بہا رستہ ہی وہ ایکبارگی میرا ترپ جانا	وہ چار پڑا تفسر کا آپسے آپ کے گلشن میں

ابھی اک موج مے اٹھی تھی سچا میں ادھ خط
ابھی اک ق چکی تھی مڑادی این میں

عشوروں کی ہونہ اس نکتہ زلکی ہے
ساری خطا مڑول شورش ادا کی ہے
مستانہ کر رہا ہوں رہہ عاشقی کوٹے
کچھ ابتدا کی ہونہ خبر انتہا کی ہے
کھلتے ہی پھول بلغم میں پڑوہ پھیلے
جنش گ بہار میں موج فنا کی ہے
ہم خستہ گان راہ کو راحت کہا نصیب
آواز کان میں ابھی بانگ درا کی ہے
ڈو باہوا سکوت میں ہر جوش آرزو
اب تو یہی زبان مرے مدعا کی ہے
لطف نہان یا رنگا گل ہے امتیاز
رنگت چرھی ہوئی ستم بولا کی ہے

جلوہ رنگیں اتر آیا نگاہ شوق میں
ہم لطافت جسم کی اسیم تن کھاکے
شیدہ منہ بڑھا اہل نظر کو بھی گراں
پھر بھی کس حسرت سے سب ورنہ کھاکے
دشت غربت کی شاکا ہ بھر کر حبس کی
گرد کوہ پروں ہی اہل وطن کھاکے
بہمن گل دیو گدڑی ہوا اس کی چرخ
ہم تو گلشن میں غلط رنگ چن کھاکے
دور سے ہم راہ شمع انجمن دیکھا کئے
دور سے پھرتے تھے جگوان کج موج تو میں

شورِ غم نہ ہو فکرِ مال کا رنہ ہو	قیامتیں بھی گزرجائیں ہوشیار نہ ہو
وہ دستِ ناز جو مجھ نمایاں کیے	لحد کا پھول چراغِ سرمہ زار نہ ہو
اٹھاؤں گے تھی جو ہر جہانِ خراب	سناؤں گا حقیقت جو خوفِ زار نہ ہو
ہر اک جگہ تری برق نگاہِ دور گئی	غرض یہ جو کہ کسی چیز کو قرار نہ ہو
یہ دیکھتا ہوں سترِ زریں لبِ تنہم کو	کہ بحرِ حزن کی اک موجِ بیکار نہ ہو
خزاں میں مین بکس کو ڈھونڈتے چکر	وہ برگِ خشک کہیں پر شاخِ زندہ ہو
بچھ میں برقِ سرِ طور کس طرح آئے	جو موجِ باد میں بیجاں نہ نشانہ ہو
دکھا دے بخودی شوقِ ہلکا چھ کو	کہ صبحِ وصل نہ ہو شامِ انتظار نہ ہو
نگاہِ شوق کو یا راسِ سیرِ دیر نہ ہو	جو ساتھ ساتھ کئی حُسنِ یار نہ ہو
ذرا سے پردہٴ محفل کی کیا حقیقت	عباسِ قیس کہیں نہ ہی پردہ دار نہ ہو

اس کا وہ قدرِ عنا اس پر وہ رخِ رنگیں	نازکِ سارِ شاخِ اک گویا گلِ تر و کھیا
تم سانس نہ کیا آئے اک طرفِ بہار آئی	آنکھوں نے مری گویا فردوسِ نظر و کھیا
ہر ذرے میں صحرائے بیتابِ نظر آئی	یہی کو بھی جنوں کیوں خاکِ بستر و کھیا
مستی سے ترا جلوہٴ خودِ عرضِ تماشا ہو	آشفقہٴ مزاجِ جو نکایہ کیفِ نظر و کھیا

ہاں وادی این کے معلوم میں سب سے
موسیٰ نے فقط اپنا اک ذوق نظر دیکھا

عشق کی دنیا بوں پر جن کو چم گیا
جب نگاہ شوق تڑپی پردہ مٹ گیا تھا

تھیں نگاہ شوق کی گینیاں چائی ہوئی
پردہ مٹ گیا تو صاحبِ محفل نہ تھا

قبرِ تھوڑی سی بھی غفلت طالعِ عشق میں
انکھ چکی قیس کی اور سائے محفل نہ تھا

اک عالم حیرت ہو فنا ہے نہ بقاء ہے
حیرت بھی یہ حیرت ہو کہ کیا جا گیا ہے

سو بار جلایا ہے تو یہ سو بار بنا ہے
ہم سوختہ جانوں کا شمع بھی بلا ہے

ہو نہ توں پریم ہو کہ اک برق بلا ہے
انکھوں کا اشارہ ہو کہ سیلابِ فنا ہے

سنا ہوں بڑے غور سے افسانہ ہستی
کچھ خواب ہے کچھ اصل ہو کچھ طرزِ ادا ہے

ہو ترے قصور سے یہاں نور کی بادش
یہ جانِ حریف ہو کہ شبستانِ حرا ہے

ایک شے خاک کا کیا ہو بیانِ خطرِ آب
فرسے فرسے میں نہاں ہو اک جہاںِ خطرِ آب

جانتے ہیں ادیس اس دلِ بیاب کی
ان سے بڑھ کر کون ہو گا مکملہ دانِ خطرِ آب

میں شوقِ گر دینے تر پئے سے بھے
مجھ کو بھی معلوم ہو سو دوزیانِ خطرِ آب

دڑے دڑے کو جنبش انکے برق حسن
اُڑے جائے ایک ن غیا کہ ان منظر اب
دو دنوں عالم کو تہ و بالا نہ کر دے کہیں
آپکا انداز شوخی میری شان منظر اب
کس نے پہلو میں مرے لا کر بٹھایا جو تجھے
او دل شوریدہ آنست نشان منظر اب

یہ بھی فریب ہے کچھ درد عاشقی کے
ہم مرے کیا کریں کیا کریا جو جی کے
محسوس ہو رہا ہیں باد فنا کے جھونکے
کھٹنے لگے ہیں مجھ پر اسرار زندگی کے
شرح و بیان غم جو اک مطلب مقید
خاموش ہوں کہ سنی صدیق عاشقی کے
بارگاہ اٹھایا رنگ نشاط دیکھا
آنے نہیں ہیں یونہی انداز تجسی کے

سب کی بقدر حوصلہ دل نظر میں ہے
جلوہ تھا را ذوق طلب کے اثر میں ہے
قید نفس میں طاقت پر وازاب کہاں
رعشہ سا کچھ ضرور بھی بال پر میں ہے
تم باخبر ہو چاہتے والو کئے حال سے
سب کی نظر کا لازمی نظر میں ہے
تقدیر کس کے خرم ہستی کی کھٹل گئی
طوفان بکلیوں کا تھا ہی نظر میں ہے
بھلو جلا کے گلشنِ حسی نہ بھونکے
وہ آگ جو دبی ہوئی بھڑکتی ہے

ہر داسے حسن آئینے میں آتی ہے نظر
 در سے در سے نمایاں ہو تھلائے قدم
 کچھ غنیمت ہو گئی یہ پردہ کا آب رنگ
 بے شکاف ہو کے مجھ سے سب اٹھلائے حجاب
 آج خون گشتہ دنیا میں بھی یاد آگئیں
 گر ٹری خود بیج تیرے غصہ میں تو نہ کر
 پھر گئی آنکھوں کے نیچے داد ابرق حسن
 قح آٹھے سب چاک گر بیان کیلکھ کر

تے جلوں کے آگے بہشتی زبان کھڑی
 طعانی تھی ٹپل جلوں کا گھاسے رنگیں پر
 نیا زینت کو سمجھا ہی کیا اسے واعظ نادوں
 قفس کی یاد میں غصہ طلب بدل معاوضہ
 کر کے جس پہاڑ تھے شاید قفس بل میں
 بل کی کیا تیرے کہ عالم میں تلام ہے

زبان بگڑ گئی کھڑی نگاہ بے زبان کھڑی
 چھپا کر کہنے ان پر دلوں میں تیشاں کھڑی
 ہزاروں بگڑ گئے کہ جس میں جس جہاں کھڑی
 کہ میں تو کر ایک ایک شہنشاہ تیشاں کھڑی
 بہت کچھ سوچا ظالم نے تیغ خون فشان کھڑی
 غضب کی ایک شہنشاہ تیشاں کھڑی

گر تم تلاش و جستجو اب ہر تری نظر کہاں	خون ہر کچھ جاہو اقلب کہاں جگر کہاں
ہر یہ طریق عاشقی چاہیے اس میں بخوئی	اس میں چنانچہ نہیں کہاں اس میں اگر کہاں
زلف تھی جو کھر گئی نرنگ تھا کہ جو کھر گیا	ہاؤ وہ شام اب کہاں ہاؤ وہ اب سحر کہاں
کچھ کچھ کس طرح دور کے سجدہ نیاز	یہ بھی تو ہوش اب نہیں باقی کہاں ہو سر کہاں
ہائے وہ دن گذر گئے خوش اضطراب کے	نہیں نفس میں گئی اب غم بال و پر کہاں
ہوش خود کے پھر میں عمر عزیز صرٹ کی	رات تو کٹ گئی یہاں دیکھتے ہو سحر کہاں

صرٹ اک سوز تو مجھ میں ہو مگر سا نہیں	میں فقط در دہون جسمیں کوئی آواز نہیں
مجھے جو چاہو وہ درس بصیرت لیجئے	میں خود آواز ہوں میری کوئی آواز نہیں
پھر یہ سب شورش و ہنگامہ عالم کیا ہو	اسی پر میں اگر حسن جنوں سا نہیں
آتش جل رہی ہے سب پھونک یا	اب کوئی پردہ نہیں پر در انداز نہیں

اسرار عشق ہے دل مضطرب لیے ہوئے	قطرہ ہر بے قرار سمندر لیے ہوئے
آشوب و ہر وقتہ محشر لیے ہوئے	پہلو میں یعنی ہوں دل مضطرب لیے ہوئے
موج زخم کے مستربان جائے	آئی ہے بوسے زلف منبر لیے ہوئے

کیستیان جن میں ہیں جوش بہار ہے	ہر شاخ گل جو ہاتھ میں ساغریہ ہوئے
قاتل نگاہ یاس کی زد سے زنج سکا	خجرتے ہم بھی اک تہ خجریہ ہوئے
خیرہ کیے چشم حقیقت شناس کو	ہر ذرہ ایک ہر منور ہے ہوئے
پہلی نظر بھی آپ کی اُن کس بلا کی تھی	ہم آج تک وہ چوٹ میں اُن کیے ہوئے
تصویرِ کچھی ہوئی ناز و نیاز کی	میں سر جھکائے اور وہ خجریہ ہوئے
صبا سے تند و تیز کو ساقی سنبھان	اچھلے کہیں نہ شیشہ و ساغریہ ہوئے
میں کیا کہوں کہاں ہو محبت کہاں ہو	رگ گم میں دُری پھرتی جو شہر ہوئے
نام اُنکا آگیا کہیں ہنگام باز پرس	ہم تھے کہ از گو صفت محشر ہے ہوئے
اصغر جویم عشق میں سستی ہی جرم ہے	رکھنا کبھی نہ پاؤں یہاں سریہ ہوئے

————— ❦ —————

نہ شیشہ نہ یہ ساغریہ یہ پیمانہ بنے	جان میخانہ تری زگر مسائبے
مرے مرتے نہ کبھی قاتل و فرزند بنے	ہوش رکھتا ہو جو انسان تو دیوانہ بنے
پر تو بخ کے کرشمے تھے سر راہ گزر	ذرتے جو خاک اُٹھے وہ صخم خانہ بنے
موج صہبائی بھج کر ہوں ہو کج بھونکے	ابریوں جھوم کے چھا جا کہ میخانہ بنے
کار فرما ہر نقطہ حسن کا نیز نگاہ کمال	چاہو وہ شمع بنے چاہو وہ پروانہ بنے

چھوڑ کر یوں در محبوب چلا صحر کو
ہوش میں آؤں تیس نہ دیوانہ بنے
خاک پر دانے کی برباد نہ کر باد صبا
یہی ممکن ہو کہ کل تک مرا افسانہ بنے
برق سے تری سستی کی ادا ہو جائے
موج صہبا تری ہر لغزش مستان بنے
ہم کو مطلوب ہیں کچھ قلب جگر کے گئے
جیسے دامن نہ کوئی پھاڑ دیا ہو آئے
رند جو طرٹ اٹھائیں وہی سارے بچا
جس جگہ بیٹھ کے پی لیں ہی بیٹھانے

گم کر دیا جو دیدنے یوں سرسبز مجھے
ملتی جواب انہیں سے کچھ اپنی خبر مجھے
نالوں سے میں نے آگ لگا دی ہنایز
صیا و جاننا تھا فقط مشت پر بجھے
اللہ سے اٹکے جلوسے کی حیرت فرایا
یہ حال ہو کہ کچھ نہیں آتا نظر مجھے
مانا جو ہم ناز کا پایہ بلند ہے
یوگا نیکا اچھال کے درد جگر مجھے
ایسا کہ تنکدے کا جسے راز ہو سپرد
اہل حرم میں کوئی نہ آیا نظر مجھے
کیا درد و ہجر اور یہ کیا لذت وصال
اس سے بھی کچھ بلند ہی ہو نظر مجھے
مست شباب ہیں اہل شہر عشق ہو
میری خبر انہیں ہر زمان کی خبر مجھے
جب اہل اس نیا دھنیت کی ایک ہے
کچھ کہیں پکارا ہو ہر آنہ سے ادھر مجھے

اے خود و شاہد و شہر و آفتاب
جہاں ہوں بحر شہادہ ہے کسی صبا سے

ساسنے اُنکے تڑپ کر اس طرح فرما کی
 اب یہی ہو وہ تسکین خاطر ناشاد کی
 ہوش پر بھی گری انکھیں بھی خیرہ گئیں
 چلے یا جنوں تو صحرائے کسی جانب مگر
 نغمہ پر زور دے چھڑائیں نے اس انداز سے
 دل ہو چو جس دم شک حسرت بنگیا
 اس حرم قدس میں کیا لفظ و معنی کا گدہ
 تمنا اُسے وہ عارض میر عرض شوق پر
 آئیں میں اس کی شمع نہ تباہ چین
 شعر میں نغمہ ہوش تحسین چاہیے
 سرشک شوق کا وہ ایک قطرہ ناچیز
 اداس عشق کی تصویر کھینچ گئی پوری
 بہت لطیف اس کے ختم ساقی کے
 نے پھر یہ نگہ شوق سارے عالم میں

میں نے پوری شکل دکھائی دل ناشاد کی
 زندگی میں دیا حسن میں برباد کی
 تم کو کیا تھا اک جھلک سی تھی تمہاری یاد کی
 اک صد گونجی ہوئی جو نالہ و فریاد کی
 خود بخود مجھ پر نظر پڑنے لگی صیاد کی
 روح جب تری تو صورت بنگی فریاد کی
 پھر بھی سب باتیں پہنچیں بس فریاد کی
 حسن جاگ اٹھا وہیں جب عشق فریاد کی
 تھی نظر تاثیر میں ڈوبی ہوئی صیاد کی
 مجھ کو صفر کم جو عادت نالہ و فریاد کی

اچھا نا تھا کہ اک جبر بے کنہ ہوا
 و فوج جوش سے یوں حسن مقرر ہوا
 نہ میں ہو کبھی بخود نہ ہو شہیار ہوا
 شدید صلیٰ حسن آج بے قرار ہوا

جہاں بھی میری نگاہوں ہو چلا معدوم
ارے بڑا غضب آپ چشم سحر کھڑا ہوا
مری نگاہوں جھٹک جھٹک کر مئے سجد
جہاں جہاں تقاضائے محسن یا رہا ہوا

ذوقِ مسرتی کو مجھ سے جانناں کر دیا
کنو کو اس طرح چمکایا کہ ایساں کر دیا
تو نے یہ اعجاز کیا اسے سوزِ نہاں کر دیا
اس طرح پھونکا کہ خرچہ کم کو جاں کر دیا
جس پر میری جوتوں نے ڈال کھتے تھے جہاں
بنجہ دی نے اب اسے محسوسِ عیاں کر دیا
کچھ نہ ہم سے ہو سکا اس مضطرِ شوق میں
ان کے دامن کو گرا پنا گریساں کر دیا
رکھ دینے دیر و حرم سرا نے کیواسطے
بندگی کو بے نیاز کفر و ایساں کر دیا
عارضِ نازک پہ اُنکے رنگ سا کچھ آگیا
ان گلوں کو چھیر کر ہیئے گلستاں کر دیا
ان بول کی صورتِ نیا کو اصرار کیا کہوں
پر خدا نے واسے ناکامی مسماں کر دیا

بوش کسی کا بھی نہ رکھ جلیں کہ نماز میں
بلکہ خدا کو بھول جا سجدہ بے نیامیں
رازِ نشاۃِ خلدِ بخندہ دل نوازیں
غیب و شہود کے رموزِ گہم نہیں
آج جو اضطرابِ شوق حدِ سوا گذر گیا
اور بھی جان پڑ گئی عشوہ جاں گذر میں
است زیادہ اور کیا شوخی نقشِ پا کہوں
برق سی اک چمک گئی آج سرِ نیامیں

آتش گل بہ طروت دشت چمن ہا کھٹا
ایک شمار طور جو غلو تیس ان ازمیں
ہوش و خرد کے ساتھ سماں چن چن کرستا
آگ سی ہو بھری ہوئی سیلہ نے نوازمیں
پرودہ دھڑکھ نہیں ایک آنسو رخ ہو
خاک اٹھا کے ڈال دی دیدہ امتیاز میں
اسے دل شوق چہلہ جوڑ کین لگے ہو
طاہر قدس کو بھی لے دامہ مجب ازمیں
سب سے اونکھ جوڑی در نہ آداسٹن کیا
ہوش کا جب گئی نہیں لگی جیم ہا زمیں

—*—

جو شجر باغ میں ہو وہ شجر طور ہے آج
سپتے پتے میں جو دیکھا تو وہی نور آج
شور شن ل جو وہ ہوتی تھی بدستور آج
نہیں معلوم وہ نزدیک سے یا دور آج
نفس گل جوش نو طلعت زیرائے بہا
عرض دیدار پر یک جلو مستور آج
میں نے خاکستر دل میں نہیں دیکھا جرح
وہی ذرہ تو جو برق سر طور ہو آج
نہیں معلوم یہاں دار و در سن ہو کہ نہیں
خون میں گرمی ہنگامہ منصور آج
جس سے گل تک ل بیتاب پھٹکا جاتا
اسی شعلہ کو جو دیکھا تو سر طور ہو آج

—*—

سب گھیر لیا جلو چن بشری نے
پایا ہے سرعش بھی سیر نظری نے
افتادگی راہ کی منزل کو نہ سمجھا
آخر نہ ویا ساتھ مرا ہمسفری نے

اس جلوئے بے کیفیت محروم ہی رکھا	کجخت کبھی ہوش کبھی بخیری نے
کس شان سے پردہ کو ہٹایا تو تپ کر	ناکامی پر در و حجاب بشری نے
آنکھوں میں تیری بزم تماشا لٹوئے	جنت میں بھی ہوں جنت دنیا لٹوئے
پاس ادب میں جوش تماشا لٹوئے	میں بھی ہوں اک صاب میں دیا لٹوئے
ہے آرزو کہ آئے قیامت ہزار بار	فتنہ طرازی قدر عینا لٹوئے
طوفان ہمارا اور پریشاں غبار قیس	شان نیاز محل لیسلا لٹوئے
پھر دل میں التفات ہوا آنکھ جاگزیں	اک طر زخاص بخش بجا لٹوئے
پھر ان بول پہ موج قسم ہوئی عیاں	سامان جوش رقص تماشا لٹوئے
صوفی کو ہر مشاہدہ حق کا ادا	صد ہا حجاب دیدہ بینا لٹوئے
صد ہا تو لطف سے بھی محروم رہ گئے	یہ امتیاز سا غر و مینا لٹوئے
مجھ کو نہیں ہوتا چہ شہا سے روزگار	دل ہے تراکت غم لیل لٹوئے
تو برقی حسن اور تجلی سے یہ گرہ نہ	میں خاک اور ذوق تماشا لٹوئے
افرا کا لہجہ عشق نے سراب تو رکھ دیا	ابھیں گے بھی تو نقش کعب پا لٹوئے
رنگ رنگ میں اور کچھ نہ رہا خیال دست	اس شوخ کو ہوں آج سراب لٹوئے

۲۴

دل بہستلاؤ مالِ تمکیں اتقا	جام شرابِ زکس رسوا ہوئے
سرمایہ حیات ہے حرمانِ وفا	ہے ساتھ ایک صورتِ زیبا ہوئے
جوشِ جنوں میں چھوٹ گیا آستیاں	ردتے ہیں منہ پہ دامنِ جھوٹا ہوئے
اصغرِ جوم دروغِ بی میں اس کی یاد	اُئی ہے اک طلسمِ تشاؤ ہوئے
ہے دلِ ناکام عاشقِ میتھاری یا بھی	یہ بھی کیا گھر کہ ہے برباد بھی آباد بھی
دل کے سننے کا مجھے کچھ اور ایسا غم نہیں	ہاں مگر اتنا کہ جوس میتھاری یا بھی
لکھو یہ سمجھائیے نیرنگِ کارِ عاشقی	تھم گئے اشکِ مسلسلِ کک گئی فریاد بھی
سینے میں درِ جنتِ رازِ بکرہ گیا	اب وہ حالت ہو کہ کرسکتی نہیں یاد بھی
کچھ تو اصغرِ مجھ میں ہو قائم جس سے زندگی	جان بھی کہتے ہیں اسکو اور انکی یاد بھی
سرگرم تجلی ہوا سے جلوہ جانا نہ	اڑ جائے دھواں بنگر کعبہ ہو کہ تھانا نہ
یہ دینِ اُدہ دنیا ہو یہ کعبہ وہ تھانا نہ	اک اور قدم بڑھ کر اسے ہتھ پڑانا نہ
قربان ترسے یکیش ہاں آگے ساقی	تو صورتِ ہستی جو تو معنی میں ساقی
اب تک نہیں دیکھا ہو کیا اس رخِ خندِ	اک تارِ شحای سے ابھار جو پروانا نہ

مانا کہ بہت کچھ ہے یہ گرمی حُسنِ شمع	اس سے بھی زیادہ ہے سوزِ غمِ پروانہ
زادہ کو تعجب ہے، صوفی کو تحیر ہے	صدرِ شکِ طریقت ہے یہ لغزشِ منش
اک قطرہ شبنم پر خورشید جو عکس آرا،	یہ فیضِ دوستی افسانہ ہے افسانہ
اندازِ مہربان ہیں شبِ شمعِ شہدائے	اک حُسن کی دنیا جو خاکِ سترِ پروانہ

~~*

ہر جنبشِ نگاہ تری جانِ آرزو	موجِ خرامِ ناز ہے ایمانِ آرزو
جلوسے تمام حُسن کے آکر سما گئے	اندھے یہ وسعتِ دامنِ آرزو
میں اک چراغِ کشتہ ہوں شامِ فراق	تو نورِ بہارِ صبحِ گلستانِ آرزو
اس میں دہی ہیں یا مرا حُسنِ خیالِ ہر	دیکھوں اٹھائے کے برقِ یلانِ آرزو
اک رازِ ہر جہتمِ غمناک ہجر میں	ہے اک ظلمِ گرمِ گریہِ خندانِ آرزو
اب طور پر وہ برقِ تجلی نہیں رہی	تھوڑا رہا ہے شعلہِ عریانِ آرزو
اسکی نگاہِ ناز نے چھیرا کچھ اس طرح	اب تک اچھل ہی ہو گیا جانِ آرزو
اس نورِ بہارِ ناز کی صوفت کی ہو ہو	تصویرِ ایک ہے تہِ دامنِ آرزو
چاہا جہاں سے منظرِ فطرت بدل یا	ہے کل جہاں تابعِ فرمانِ آرزو
کوثر کی موج تھی تری ہر جنبشِ خرام	شاداب ہو گیا چمنستانِ آرزو

جہاں بُل کا خزان میں نہیں مل سکا کوئی
 بے محابا ہوا اگر حُسنِ و بابت کہاں
 خرمین گل سے پست کر دیں ہر جانا تھا
 کیا مگر حال پہ سچ چرخِ غم تھا قاصد
 شکِ خوئیں ہو سہیں نہ رنگین کہیں
 پروہ لالہ دگل بھی ہو بلا کا خونریز
 اپنے انداز پر ہوشا ہر فطرت بخود
 کیا کرے نہادِ بچارہ اسے کیا معلوم
 دل میں اک بوند کوئی نہیں رہنا کیسا
 شعاعِ طور کو دیکھا ہے تو اجد کر سکتے
 دل کا ہر داغ ہو سرمایہ نگینِ حُسن
 لطف ہر طرح کا ہو دستِ جزوں میں
 ایسے ہوش کہوں یا میں کہ جزوں کا صخر
 اب حُسن میں رہا شعلہ عریا کوئی
 چھپے جس شمس سے ہوتا ہوا کیا کوئی
 اب کرے کیوں گاتنگی و اماں کوئی
 تو نے دیکھا تھا سارے سرِ شرم گاہ کوئی
 ہر نفس میں آتا ہو گلستاں کوئی
 اب نہ کرے نہ کرے حُسن کو عریاں کوئی
 رکھ دے آئینہ نگر دیدہ حیراں کوئی
 رحم کرتا ہو باندازہ عصیاں کوئی
 اب چمکتا نہیں آنکھوں گلستاں کوئی
 شب کو جب رقص میں آجاتا ہوا کوئی
 دیکھنا ہو گا اسی میں مہ کنناں کوئی
 پھاڑے کو نہیں ملتا ہو گریباں کوئی
 مجھ کو ہر تار میں ملتا ہے گریباں کوئی

پروہ حیراں میں آخر کون ہوا اسکے سوا
 اسے خوشاں نہ دیکھ کر نہ کی بھی ہو دردِ بھری

حسرت ناکام میری کام سے غافل نہیں	اک طریق جستجو یہ درد مجھ پر بھی ہے
میں تو ان مجھ جویوں پر بھی سراپا دیدہ ہوں	اس کے جلوے کی ادا کشان مستوی بھی ہے
میری محرومی کے اندر سے یہی آگھدا	قرب کی اہول میں میری راکھ مدھری بھی ہے
قلب پر اب تک تپتی ہو شعل برق طوف	خون کے قطر میں ایک رقص منووی بھی ہے

تو وہ قاتل تو کہ ہر وار ترا جنت ہے	میں وہ زخمی ہو طرہ ہر زخم جو اک تارہ علاج
چشم پر شوق کو گو حسن سے پہنچی ہر ضیا	حسن کا رنگ بھی ہر ذوق نظر کا محتاج
جس میں ہر روز نئے رنگ سے آتی تھی بہا	ہو گیا وہ چمنستان تمنا تارا ج
فائدہ کیا کہ ترسے عشق کو بدنام کر دوں	میں ازل ہی سے ہوں لہذا تیرا توجہ
انتہا دید کی یہ جو کہ نہ کچھ آئے نظر	کیف بیزگی حیرت ہو نظر کی مہر ج
صاف کہتا ہوں کہ میں کیا ہوں فقط دریا	بے قدر شوق جو ہر قطرہ منصور مہر ج

ہے آتش بیانی کچھ خرم ہستی میں	اک برق بلا بنکر تاثیر دعا آئی
ہنگام سیہ مستی یہ فکر فلک پیسل	اک ایک ستارے کو آئینہ دکھائی
بیدار ہوا منظر اس مست خرامی سے	غیر غنی کھلیں آکھیں دامن کی ہوا آئی

اس عارض نگین پر عالم وہ بچا ہوں کا
معلوم یہ ہوتا ہے پھولوں میں آئی
جنوں کی نظر میں بھی شاید کوئی سیلی ہو
ایک ایک گلوے کو دیوانہ بنا آئی
اک شورا نامی خلقت نے بنا لیکن
پھر خند کے صحرا سے کوئی نہ صدا آئی

آج پھر حسنِ حقیقت کو نمایاں کر دیں
فلک کفر کو خالِ رخ ایماں کر دیں
نالہ غم سے حقیقت کو نمایاں کر دیں
نئے کو اس طرح سے چھیریں کنیتاں کر دیں
بند ہوئے تھے منظرِ فطرت کا حجاب
لاؤں گا شاید ستور کو عریاں کر دیں
خاک کر دیں پیشِ عشق سے ساری تھی
پھر اسی خاک کو خاک بنے جاناں کر دیں
رحمتِ حق نے بہت کچھ لی ایسا کی بہا
اب ذرا سانسے رعنائی عیساں کر دیں
کر لیا جائزہ ہستی عالم سارا
اُسے اب فہر تو مجھ دیدہ تیراں کر دیں
ذیر کی راہ نہ ملتی ہو تو کعبہ ہی سہی
کفر جب کفر نہ رہتا ہو تو ایماں کر دیں
جانِ میناب پہ وہ چوٹ تری تکی پہ
نفس باز پس کر بھی فروزاں کر دیں
نہ ہوا دل کو اگر ذوقِ عبادت نہ ہی
اب اسے صرف رہ لذتِ عصیاں کر دیں
پھر ہر رک درِ دالم آج بنے وجہِ نشا
دل کے ہر داغ کو چھینے شہستاں کر دیں

نہ کھئے عقد ہائے ناز و نیاز	حسن بھی رازا اور عشق بھی راز
راز کی جستجو میں مرتا ہوں	اور میں خود ہوں ایک پر ڈراز
بال و پر میں مگر کہاں پائیں	بوسے گل یعنی ہست پر داز
ساز دل کیا ہوا وہ ٹوماسا	ساری ہستی ہے گوش بر آواز
لذتِ مجدد ہائے شوق نہ پوچھ	ہائے وہ اتصال ناز و نیاز
دیکھ رعنائی حقیقت کو	عشق نے بھر دیا ہے رنگ بھرا
ساز ہستی کا جائزہ کیسا	تار کیا دیکھ تار کی آواز

❖❖❖

✓ وہ نظر اسکی جو ہے بوجہ صدوح حیات	بجھ تک آئے تو وہی تیر قضا ہو جائے
✓ ہے تلون سے ترے جلوہ نیرنگ حیات	میں تو مرجاؤں جو امید و نا ہو جائے
✓ لالہ دگل پہ جو ہر قطرہ شبنم کی بہار	زنج نگیں پہ جو آئے تو جیا ہو جائے

❖❖❖

پاتا نہیں جو لذت آہ سحر کو میں	پھر کیا کروں گالیکے الہی اثر کو میں
آشوب گاہِ شتر عجب کیوں عجیب ہو	جب آج دیکھتا ہوں تری رہگذر کو میں
ایسا بھی ایک جلوہ تھا ہمیں چھپا ہوا	اس رخ پہ دیکھتا ہوں اپنی نظر کو میں

جینا بھی آگیا مجھے مرنا بھی آگیا،
 وہ شوخیوں سے جلوہ دکھا کر تو چلے گئے
 آہوں نے میری خرمی ہستی جلادیا
 باقی نہیں جو لذت بیدار ہی فنا
 اصغر مجھے جنوں نہیں لیکن چل ہو
 پہچانے لگا ہوں تمہاری نظر کو میں
 انکی خبر کو جاؤں کہ اپنی خبر کو میں
 کیا منہ دکھاؤں گا تری برقی نظر کو میں
 پھر کیا کر دوں گا زندگی بے اثر کو میں
 گھبرا رہا ہوں دیکھ کے دیوار دور کو میں

کیا کہیے جاں نوازی پیکان یار کو
 جوش شباب نشہ صبا، جرم شوق
 ہر ذرہ آئینہ ہے کسی کے جمال کا
 میرے مذاق شوق کا اس میں بھلا ہو گنگ
 ہاں لے لگا غول و اسے جان لری
 اس جو بہار حسن سے سیراب ہو نہننا
 تھی بوسے دوست موج نسیم سر کے تھ
 یہ راز دل جو ہستی کل کائنات ہے
 تیری ہی شوخیاں تھیں گرہیں بی ہونی
 سیراب کر دیا دل بہشت گزار کو
 تعبیر یوں بھی کرتے ہیں فصل بہار کو
 یونہی نہ جانتے مرے مشیت غبار کو
 میں خود کو دیکھتا ہوں کہ تصویر یار کو
 تو نے حیات بخشی جو صبح بہار کو
 رو کو نہ اپنی نغزش مستانہ دار کو
 یہ اور لے اڑی مرے رشتہ غبار کو
 دیکھیں حضور دیدہ امید دار کو
 چھڑا جو میں نے موج نسیم بہار کو

کچھ اور ہی فضا دل بے مدعا کی ہے دیکھا ہے روز وصل و شب انتظار کو
اندھ فضا طرہ روح کا اک کھل گیا چین جنبش ہوئی جو غامہ رنگین بکار کو

یوں نہ مایوس ہوا شورش ناکام ابھی میری رگ گیس ہوا کہ تشنہ نام ابھی
عاشقی کیا ہر پرک شے سے تھی ہو جانا اس سے ملنے کی ہوا میں ہوس غم ابھی
اتہا کیست کی افتادگی دہستی ہے مجھے کتنا تھا یہی دردِ بے جام ابھی
علم و حکمت کی تناسل نہ کوئین کا غم میرے سینے میں ہوا باقی سے گلفا ابھی
سب مزے کر دیے خوشید قیامت خزا میری آنکھوں میں تھا اک رو دلازم ابھی
بلبل زار سے گو سخن چمن چھوٹ گیا اس کے سینے میں ہوا کہ شعلہ گلفا ابھی

نہ کچھ فانی خبر ہے نہ سچ بٹھا معلوم بس ایک بغیر ہی ہے سو وہ بھی کیا معلوم
رجوم شوق میں اب کیا کہیں کیا نہ کہوں مجھے تو خود بھی نہیں اپنا مدعا معلوم
غرض یہ ہو کسی عنوان مجھے کریں مائل کرشمہ سازی ہر مذہب پار معلوم
جہین شوق کی شوریدگی کو کیا کہئے وگرنہ عیشوہ طرازی نقش یا معلوم
نکھر کے تو اسی پرد میں جلوہ آرا ہے بہار لالہ و گل شوقی حسب معلوم
تم جو چاہے کرے مجھ پرکس فوق نظر بساط اُمیہ حن خود نس معلوم

ہر مہر جو از لعل پریشان محمدؐ
 کچھ صبح ازل کی نہ خبر شام ابد کی
 تو سیدہ صدیق میں لک از ہناس
 چھٹ جا اگر وہن کو نین تو کیا غم
 دس عرصہ کو نین میں یا رب کہیں سعت
 بجلی ہو دم و مہر ہو یا شمع حرم ہو
 لے حسن ازل اپنی اداؤں کے مرے
 ہنر ترے نغموں میں بھی چو شوق دہا
 ہے نور صورت خندان محمدؐ
 بخود ہوں تر سایہ دامان محمدؐ
 صد تے تے اکھوت جانان محمدؐ
 لیکن نہ چھٹے ہاتھ سے امان محمدؐ
 پھر وہ میں ہر طرح شہیدان محمدؐ
 ہر سب کے جگر میں سرخ تابان محمدؐ
 ہے سانسے آئینہ حیران محمدؐ
 لے بلبل شوریدہ بسان محمدؐ

ازل میں کچھ جھکاسی پائی تھی اس شوہ عالم کی
 نظام دہر کیا؟ بیتا یوں کے کچھ مظاہر ہیں
 نہیں معلوم کتنے جلوہ ہا حسن نہاں ہو
 خودی ہو جو یسے جاتی ہو سب کو بخیر کر کے
 شعلہ ہر خود بیتا بک جذب محبت سے
 نہ سمجھا دہر کو میں مبتلا سے رنگ بدبو کر
 ابھی تک فتہ پر ہو حالت قص بہیم کی
 گدا و عشق گویا روح ہر کان عالم کی
 کوئی پہنچا نہیں گہر نیوں میں اس شہیم کی
 اسی چھوٹے سے نقطہ پر نظر ہو سار عالم کی
 حقیقت یہ سب معلوم ہے پروا از غم کی
 مجھے ساز طربا دیں صد نیں تار و غم کی

سم

غزل کیا، اک شہر امنوی گردش میں ہے
ہیال فوس گنجائش نہیں یاد دہانم کی

ہم ایک بار جلوہ جانا نہ دیکھتے	پھر کہہ دیکھتے نہ صنم خانہ دیکھتے
گرتا وہ جھوم جھوم کے زندان بست کا	پھر اسے خم پہ سجدہ شکرانہ دیکھتے
اک شعلہ در شمع سے بڑھ کر جو قص میں	تم بھاڑ کر تو سینہ پروانہ دیکھتے
رندوں کو صرف نشہ نیرنگ سے غرض	یہ نشہ دیکھتے ہیں نہ پیا نہ دیکھتے
بکھری ہوئی ٹوٹن بھی اس خم مست پر	ہلکا سا ہر بھی سہریل خانہ دیکھتے
مٹی کہیں کہیں پر رہ مستقیم بھی	اہل طریق لغزش مستانہ دیکھتے

شاید کہ پیام آیا پھر داوی سینا سے	شعلہ سے لپکتے ہیں کچھ کستورینا سے
بچہ کو وہی کافی جو ساقی ترکینا سے	جو کچھ چلی آئی خود جذب امتنا سے
عالم کی فضا پوچھو تو تم تناسا سے	بیجا ہوا دنیا میں اللہ جا جو دنیا سے
یار بچے ملے شیشہ سے نہوینا سے	ساغر کوئی پیکار اس اوج نریا سے
اسرار حقیقت کو اک ایک سے پوچھا ہو	ہر فنون رنگیں سے ہر شاہد زریا سے
میخانہ کی یہ صحبت اسے شیخ غلبت ہے	لے کچھ لب سامنے کچھ سیدہ مینا سے

۳۴

✓ رہ رہ کے چلتی ہو وہ برق تبسم بھی	✓ لہریں سی جو اٹھتی ہیں کچھ تبسم تاش
✓ تم دید کو کہتے ہو اعلیٰ ذرا دیکھو،	✓ خود حسن نکھر آیا اس کیست تاشا سے
انوار کی ریش ہو اسرار کی بارش ہو	ساغر کو جو کمر اوکس گنبدینا سے
یا زندگی تو بھی ہر موج حوادث کی،	یا موت کا طالب ہوں انھاس میجا سے
وہ عشق کی عظمت سے شایدیں واقف ہیں	سو حسن کر دیں پیدا ایک ایک تہا سے
اشعار پر اصغر کے ہر قص گجراں میں	اک موج نسیم آئی کیا باغ منلی سے

برق میں جس اضطراب میں ہیں تبسم عشق	کل یہ بھنا دہری سینہ پر گدا از عشق
فتنہ و ہرست گیا، ہنسنے تھا اٹھ چکا	ختم مگر نہ ہو سکا مرحلہ دراز عشق
مخاد و ناز و ایوں ہر متن نیاز ہے	پوچھ کھنم پرست سے کیفیت ناز عشق
مستی ناز حسن کو سلتے ہیں بے نیاز و	اس سے بھی بے نیاز تر بخود ہی نیاز عشق
حسرت و آرزو سے ہیں اہل حسن بھی آشنا	اک غم نام تمام ہر طرہ امتیاز عشق
زاہد سادہ لوح کو دم تھا اشتباہ تھا	مصحف رخ سے حل ہو اس سادہ از عشق
بخود و محو جم و جال مست مین و سماں	سُخن نے دست ناز سے چھلیر یا کز عشق

لوں کی جلوہ گری ہر دم کی بول بھلی	تمام شہدہ ہائے طلسم بے سببی
ذرا گئی تیرے مستوں پہ بھی تیرہ شبی	نہ کہکشاں نہ تریا نہ خوشہ عنبی
ہر زندگی ہر ہی اصل علم و حکمت ہو	جہاں دوست و شبہاہ و بادہ بھنی
دوغ حسن سے تیرے چنگلی ہر شے	اداو و رحم بلائی و طرز بول بھلی
ہوم غم میں نہیں کوئی تیرہ بختوں کا	کہاں ہو آج تو لے آفتاب نیم شبی
شر سے عشق طلب اور حسن بے پایاں	حصول تشہ لہی ہر شدہ تشہ لہی
ہیں سے عشق نے بھی شورشیں اٹائی ہیں	جہاں تو نے لیے خندہ ہائے زریں
نیش نہ جام بھکاریں کی پوچھ آسانی	جھلک ہا ہر مرآب رنگ تشہ لہی

معن حرم نہیں جو یہ کوسے تباہ نہیں	اب کچھ نہ پوچھے کہ کہا ہوں کہا نہیں
بچھ میں نوا کے عیش کی رنگینیاں نہیں	سوز و غم و عشق ہوں ساز و ساز نہیں
مدت ہوئی کہ چشم تحیر کو ہے سکوت	اب تہنیش نظر میں کوئی داستان نہیں
وہ بہترین و درجہ بہت گذر گیا،	اب مبتلا ہے کشمکش امتحان نہیں
اب ہو تو سنگ خشت سے سر کو سکون ہو	وہ آستان نہیں تو کوئی آستان نہیں
کیا مشق آمد و کی میں یہ سحر کاریاں	کیا گوشتہ نفس میں مرا تیشاں نہیں

کس حیات تو تری ہر ہر آواز ہے
 سارا حصول عشق کی ناکا یوں ہے
 تسلیم فہم کو خانہ کعبہ کی منزلت
 ہوتا ہوا از عشق محبت نہیں فاش
 فطرت ساری ہوا زل سوا سی طرح
 دیکھوں جو غم میں وہ کس طرح خبر
 اب اس نگاہ ناز سے ربط لطیف ہے
 مرنا پسند خاطر ارباب جاں نہیں
 جو عمر را نگاہ ہر وہی را نگاہ نہیں
 سب کچھ ہی مگر وہ آستان نہیں
 انکھیں زبان نہیں ہیگ بیزاں نہیں
 لیکس ہنوز ختم میری داستان نہیں
 یہ اس کا امتحان ہر امتحان نہیں
 مجھ کو دماغ صحت و جانیاں نہیں

کیا فیض بخشیاں ہیں رخ بے نقاب کی
 طاقت کہاں مشاہدہ بے حجاب کی
 مجھ کو خبر ہی نہ رخ بے نقاب کی
 اتنا کہ ذوق شورش و فریاد دیکھے
 میں بولا ہوس نہیں کہ بھلاؤنگا تشنگی،
 نقش قدم یہ ہیں اسی جان بہار کے
 موسیٰ جلو برق بجلی سے غش ہوئے

۷ ذروں میں رخ و درگئی آفتاب کی
 ۷ مجھ کو تو بھونک دیکھی تجلی نقاب کی
 ہیں خود نمود حسن میں شان نقاب کی
 مجھ کو سوال کی نہ ضرورت جواب کی
 میرے لیے تو تھی میں میں جس سرب کی
 اک پکھڑی پری ہر پکھڑی گلاب کی
 بھلاؤ مار ڈالتی شوخی جواب کی

پائی ہے میں خواب میں تبخیر اب کی	حل کر یا مجاز حقیقت کے راز کو
مستوں نے اور راہ نکالی ثواب کی	تھی ہر حل میں دعوے ہستی کی معیت
دیکھوں تو قلب ہمارے خوش نظر کی	کچھ انکی شوخیاں مجھے دہم ہو چلا
دوبی ہوئی نشاط میں غفلت سب کی	پیری میں غفل آئی تو سمجھے کہ خوب تھی

✓ وہ زہد جو رہا گشتہ سوز دیا برسوں	نہ ہوگا ہستی بے مدعا کا راز داں برسوں
رہا ہوں میں ایک حلقہ پیر میں برسوں	ابھی مجھ سے سبق سے غفل روحانیاں برسوں
کہ فرط ذوق سے چھوٹی شاخ میں برسوں	کچھ اس انداز سے چھیرا تھا میں نے نغمہ نگین
یہ کیا کرتی رہی کج بخت تنگ آستان برسوں	جبیں شوق لائی ہو وہاں داغ ناکامی
م سے کرتا رہا افتنا سکوت راز داں برسوں	وہی تھا حال میرا جو بیاں میں نہ سکتا تھا
م قفس کے سانچے دکھا رہا ہوا آستان برسوں	بڑا چھوٹا کچھ پیر گندری ہو میری شوق حسرت سے
یہ کیا اک شہوہ فرسودہ آہ و فغان برسوں	خروش آرزو و ہمنوا خاموش الفت میں
م مجھے دکھا کیا اٹھ کر غبار کا رواں برسوں	نہ کی کچھ لذت افتادگی میں اعتدال میں
فرسے لیکے اب تیرا کریں باج برسوں	وہاں کیا ہو چکا ہمارا کی ہلی سہی جنبش ہو
رہا ہوں آستان میں لیکے برقی آستان برسوں	مبت ابتدا تھی مجھ کو گلہائے نگین سے

۳۸

میں وہ ہرگز نہیں جک تو فتنے موت آتی ہو
میں نہ ہوں جسے خود دیکھا نہ سوا سب کو
نزل میں دیکھتی تھی نے صفر بھریا ایسا
کلاس میدان میں سترے گئے تھے نوجوان بے پروا

عشق نے دیکھا ہی عقل سے نہاں ہو
ہر عشق کہ محشر میں یوں مست خراب ہو
ہر شے میں تو ہی تو ہی یہ بند یہ حرام ہو
ہر عشق کی شورش کو رعنائی و زیبائی
پھر گرم نوازش ہو صومر و خشاں کی
اسے پیکر محبوبی میں کس تجھے پھول
سوا بارادین ہاتھوں میں مرے آیا
اک شورش بجا مل اک آتش بے پروا
دھوکا ہو یہ نظروں کا بازیچہ لذت کا
اک غمخوار افسرہ یہ دل کی حقیقت تھی
یہ حسن کی موجیں ہیں یا جوش تبسم ہے
مضطرب محبت ہو اک زخمی لاہوتی ہے

قطرہ میں احمد رجز اورہ میں میا باں
دور رخ بہ گریاں ہو فردوس بہ دلائل
صورت جو نہیں دیکھی یہ قرب رگ جان
جو خون اچھلتا ہو وہ رنگ گلستان
پھر قطرہ شبنم میں ہنگامہ طوفان
جس نے مجھے دیکھا ہو وہ دیدہ حیران
جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریباں
آنکھ دہ دل میں اب کفر نہ ایساں
جس کچھ نفس میں تھا وہ اصل گلستاں
یہ موج زنی خوں کی رنگینی پیکان ہے
اس شوخ کے ہونٹوں پر اک قیاسی لہجہ
پھر جوش ترنم سے بیتاب گ جان

یہ جان ازل ہی سے پروردہ طوفان ہے	آغوش میں ساحل کے کیا لطف سکون اسکو
میں خاک ہوں انجمن میں سب زنگستان ہے	سب گنٹ لطافت ہوا فتادگی غم میں
بھڑوں کو ہی لیکن پنیام سب باہان ہے	گم صاحب تمکین ہوا فسانہ عقل میں
یقین نظر کی جو وہ فکر کا زندان ہے	بح حسن تعین سیو ظاہر ہو کہ باطن ہو
جینا ہو بہت مشکل مرنا بہت آسان ہے	اک ایک نفس میں ہو صد مرگ بیاضمر
کفار کا مٹ جانا خود مرگ مسلمان ہے	اک جہد و کشاکش ہو ہستی جسے کہتے ہیں
وہ پردہ نشیں پھر بھی ہر پردہ کیلے	ہستی بھی مری پردہ یہ لفظ و بیان کو
اب گریہ خویش میں ہوا دنگستان ہے	وہ فخر رنگیں سب میں بھول گیا صغر

————— ❦ —————

پریش ہے پھر پھر ہی تنہا نظر آتا ہے	جو نقش ہو ہستی کا دھوکا نظر آتا ہے
انکھوں سے اگر دیکھو پردا نظر آتا ہے	نیزنگ تماشا وہ جلوہ نظر آتا ہے
فانوس کی گردش سے کیا نظر آتا ہے	لوح حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے
تو دفتر گل میں بھی رسوا نظر آتا ہے	لے پردہ نشیں ضد ہو کیا چشم تماشا کو
اب کون کہے اسکو جلوہ نظر آتا ہے	نظارہ بھی اب گم ہو جو دیوتا شائی
اب کنجِ قفس مجھ کو سونا نظر آتا ہے	جو کچھ تھی یہاں رونق سب چہرے تھی

۴۰

احساس میں پیدا ہو چکا ہے رنگ گلستانی
پھر وارغ کوئی دل میں تانا نظر آتا ہے
تھی فرد عمل اتنے کرنا دستِ نبوت میں
ایک ایک حق اس کا سادا نظر آتا ہے

جان نشاطِ حُسن کی دنیا کہیں ہے
جنت ہو ایک، خونِ تمنا کہیں ہے
اس جلیں کا حُسن میں چھایا ہے سحرِ طرب
ایسا حجابِ چشمِ تماشا کہیں ہے
یہ اصل زندگی ہو، یہ جانِ حیات ہو
حسنِ مذاقِ شورشِ سودا کہیں ہے
میر و دلِ ہوش کو اتنا بھی ہو بہت
یہ آبِ رنگِ حُسن کا ہرود کہیں ہے
اکستقلِ سربِ قنوت کہیں ہے
ہر نوج کی وہ نشانِ ہر جامِ شرب میں
برقِ فضا نے وا دی سینا کہیں ہے
زندانیوں کو آسے نہ چھیرا کرے بہت
جانِ بہارِ نکبت رسوا کہیں ہے
میں ہوں ازل سے گرمِ رومِ عرصہ ہو
میرا ہی کچھ غبار ہو، دنیا کہیں ہے
سرستیوں میں شیشہ سے کیے ہاتھ میں
اتنا اچھا ل دین کہ ثریا کہیں ہے
شاید مرے سوا کوئی اس کو سمجھ سکے
وہ ربطِ خاصِ بخشش یہاں کہیں ہے
میری نگاہِ شوق پہ اب تک ہو منکس
حسنِ خیال، شاہدِ دنیا کہیں ہے
بہریِ فعالِ دروچہ اس سرورِ آرزو کو
ایسا سکوت ہو کہ تقاضا کہیں ہے

دل جلوہ گاہ حسن بنافیس عشق سے وہ داغ ہو کہ شاہد عنایتیں سے
تغیر نہ کھولنا کسی حکمت ماب پر راز حیات، ساغر و مینا کہیں سے

عشق ہو ایک کیف نہمانی مگر رنجور
خوشی نے کر دیا اسکو رنگِ لب سے قریب
سے اسی ظلمتِ کدہ میں اس سو محرومی کی لو
لب پہ بیج حسن جب چکے بستم نام ہو
نور انگھوں میں اسی کا جلوہ خود نورِ حیط
انگھ ہو جب محو حیرت تو نمایاں ہو ہی
دیکھتا ہوں میں کہ ہر حقیقت جو نوح
حسن بے پروا نہیں ہوتا مگر دستور
جستجو غلام کہے جاتی تھی منزل دور
اس سے آگے لے دل مضطر چاہے ہو
رہا رہی کہلے حج انھوں تو برقی طور
ویدیک ہر کچھ تلاطم میں بچم نور
فکر ہو جب کار فرما تو وہی دستور
جو جہاں اللہ کے مکتا ہے سرمنصور

بستر خاک پہ بیٹھا ہوں نہ مستی جو نہ نوش
نظر آتی جو مظاہر میں مری شکل مجھے
ترجمانی کی مجھے کج اجازت دیے
بجز آوازِ انا البحر اگر دے تو بجا
دور سے سب کت نصرت ہیں سب کے شاہ
فطرت آئینہ بدست ادب میں حیرانِ خوش
شجر طور ہر ساکت لب منصور خوش
پردہ قطرہ ناچیز سے کیوں ہو یہ خوش

ہستی غیب سے گوارہ فطرت جنباں
 پر تو مہر ہی ذوقِ رم و بیداری ہے
 خواب میں ظنِ ملکِ عالم ہو سرسبز
 بستر گل پہ ہر اک قطرہ شبنم مدہ ہوس
 فریبِ دام کہ رنگ و بو معاذ اللہ
 جو دل سے تیر کوئی پار بھی ہوا تو کیا
 یہ اہتمام ہے اور ایک مشت پر کیسے
 ترپ ہا ہوں ابھی تک تری نظر کیسے
 حقیقت ایک ہو صد ہا لباسِ رنگیں میں
 نظر بھی چاہیے کچھ حسن رہ گز کیسے
 بہاے دردِ دام و دردِ غم کی لذت ہے
 وہ رنگِ عشق ہی جو آہ ہوا اثر کیسے
 بتوں کے حُسن میں بھی نشان ہو خدائی
 ہزار عذر میں اک لذت نظر کیسے
 سر سے پاتک مری ہستی گرم ہو ساز
 چھتری ہو کس گاہ ٹٹے نگاہِ شوق کو
 جلوہ حُسن تباں کہ غیب کی آواز ہو
 خود بہت باکیف تیری جلوہ گاہِ ناز ہو
 دوست ای میثابی لہرِ گہاں سوزِ لب
 در دو کچھ ہو خود اپنا جلوہ پروان ہو
 عشقِ تیشم کہ یہ رازِ جہاں کی کائنات
 عقل سرگرداں کہ ہر ذرہ جہاں راز ہو
 کستہ پر کیفیت ہو ٹوٹے ہو دل کی صلا
 اصلِ فدا ایک تارِ شکست ساز ہو
 ہے بہت اعلیٰ مقامِ خشکی و عجزی
 سب پر دہالیِ شورشِ عشق کی پروان ہو
 حُسن کے قفنے لٹے میرے مذاقِ شوق
 جس سے میں بچیں ہوں وہ خود مری آواز ہو

مستقرات

دور دست طلب محو رہنا ہو جائے سر سے پاک ہمتیں آپ عا ہو جائے

—•••—

بہشتہ و مجبور کی آنکھیں ہیں ترستی کہتے تھے اسی سر و خزانہ نہیں دیکھا

—•••—

وہ رستے ربط نہانی کے کہانے لاؤں سب نے نظر مجھ پر گرا سب غلط انداز نہیں

—•••—

ایک کہا کہ غنیم عشق ناگوار ہوا مجھے تو جبر تلخ اور سازگار ہوا

—•••—

وہاں بہت کچھ ہی پر دیں از عاشقی کہ تھے چھپ کر اور بھی اسکو نمایاں کر دیا

—•••—

اگر نشاط و اطم سے فقط تماشے کہ یہ مناظر وہ ادویں ہوں رہ گزری

مگر عاکوئی میرا نہ کچھ ہراس مجھے کہ عاشقی ہو فقط بیدی دے جگری

